ماہنامہ

# آنکھ مچولی

کراچی

دسمبر ۱۹۸۷ء

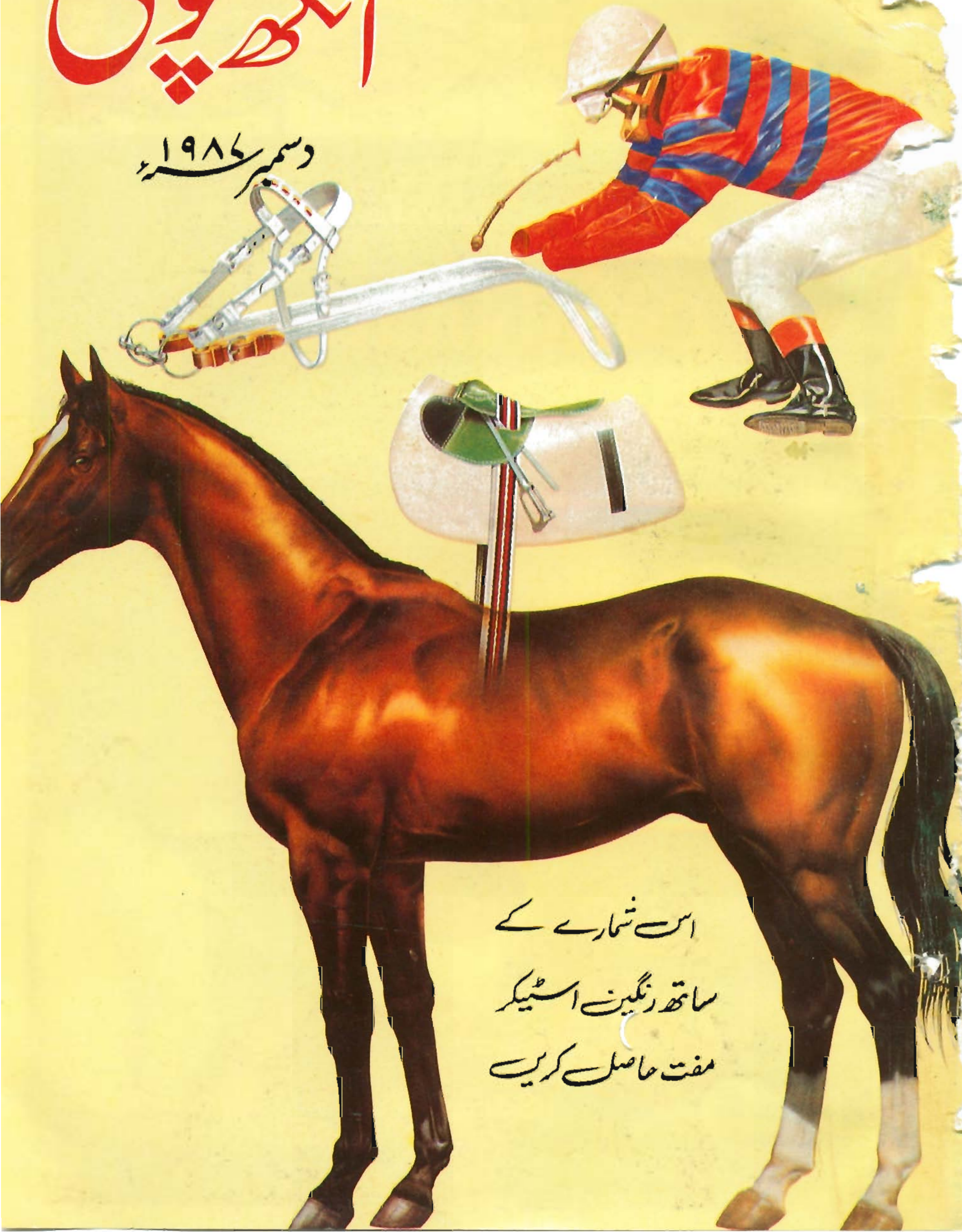

اس شمارے کے

ساتھ رنگین اسٹیکر

مفت حاصل کریں

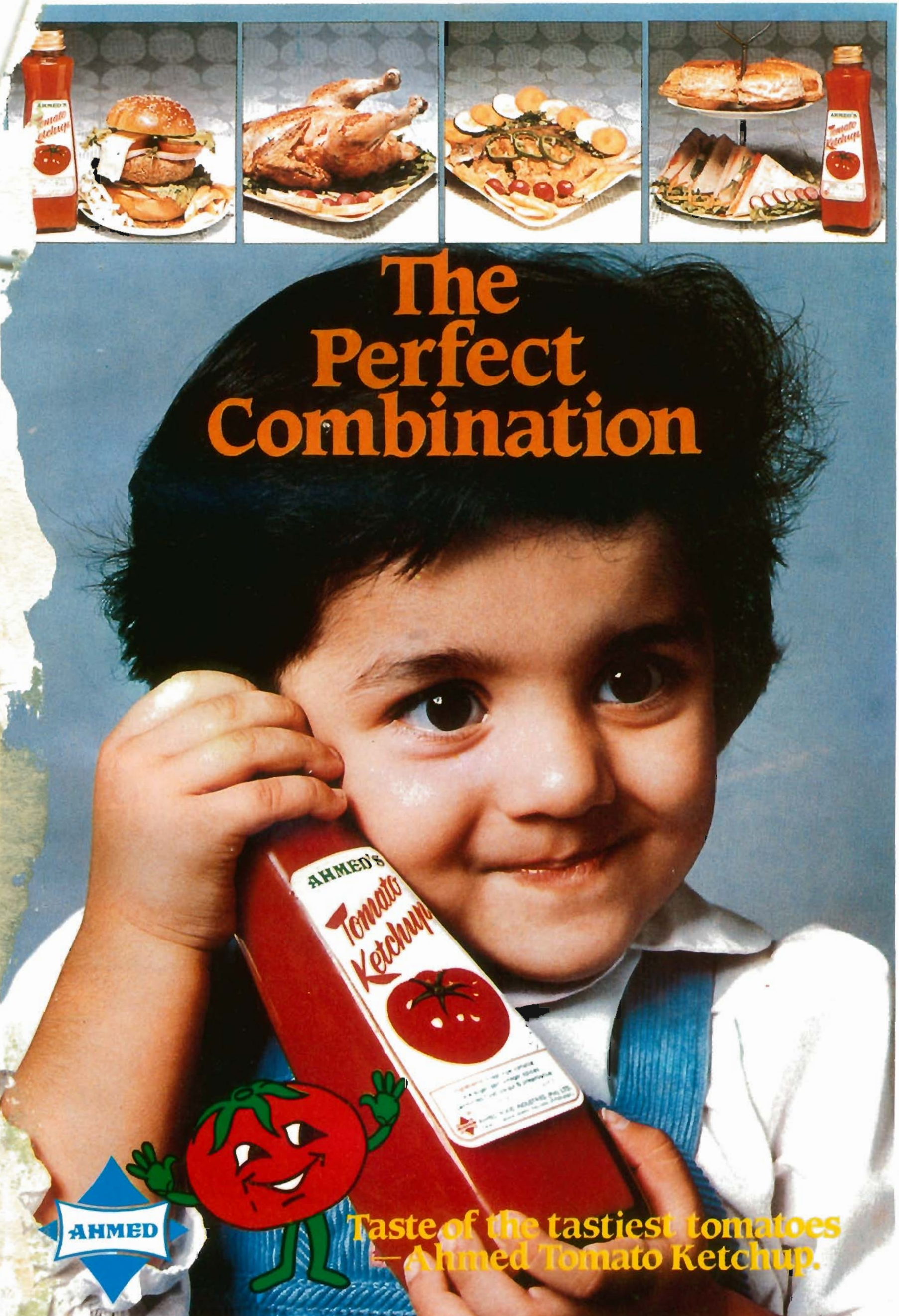

AHMED'S
Tomato Ketchup
The Perfect Combination
AHMED
Taste of the tastiest tomatoes
—Ahmed Tomato Ketchup.

ماہنامہ
کراچی
# آنکھ مچولی

جلد نمبر ——— ۲
شمارہ نمبر ——— ۶
دسمبر ——— ۱۹۸۷ء
ربیع الثانی ——— ۱۴۰۸ھ
قیمت ——— پانچ روپے

زرِ سالانہ کے لئے مخصوص
بچت اسکیم کا صفحہ دیکھئے۔

سرپرست
ڈاکٹر ابواللیث صدیقی

مشاورت
مشفق خواجہ، امجد اسلام امجد

قانونی مشیر (اعزازی)
خواجہ عدیل احمد ایڈووکیٹ

مُدیرِ اعلیٰ
ظفر محمود شیخ

مُدیرِ اعزازی
طاہر مسعود

ناظم اشتہارات
طارق ظفر ربانی

مُدیر مسئول
تجمل حسین چشتی

مشیرِ ادارت
محمد سلیم مغل

خطاطی
رئیس الحسن، عارف سعید

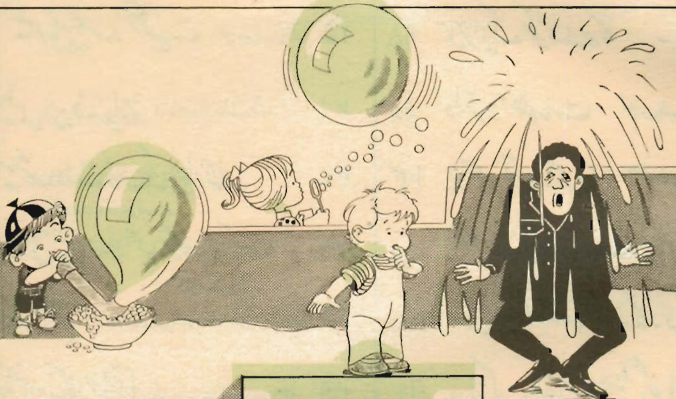

گرین گائیڈ اکیڈمی
ادارۂ اشاعت برائے
تعلیم و تعمیرِ سیرتِ اطفال
زیرِ سرپرستی
ضمیر الدین میموریل آرگنائزیشن

ماہنامہ آنکھ مچولی میں شائع ہونے والی قرآن و حدیث پر مبنی تحریروں کے علاوہ کہانیوں کے کردار و واقعات فرضی ہیں کسی اتفاقیہ مماثلت کی صورت میں ادارہ ذمہ دار نہ ہوگا

ماہنامہ آنکھ مچولی میں شائع ہونے والی تمام تحریروں کے جملہ حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں پیشگی اجازت کے بغیر کوئی تحریر شائع نہیں کی جا سکتی

ناشر: ظفر محمود شیخ، طابع: زاہد علی، مطبع: لاریب پرنٹنگ پریس، ایم اے جناح روڈ، کراچی
برائے خط و کتابت و مقامِ اشاعت: گرین گائیڈ اکیڈمی ۱۱۲ ڈی نورس روڈ سائٹ کراچی

# حسنِ ترتیب


اداریہ 5

اچھی بات 6

نعت اقبال حیدر 7

ڈاک ڈاک کس کی ڈاک 8

اس مہینے کا نام کیسے پڑا؟ حمیرالطیف 11

حضورؐ کا بچپن (انعام یافتہ مضمون) رضوانہ ظفر شیخ 12

عظیم تاریخ ساز شخصیّت ابن شہباز خان 15

ایلس ان ونڈر لینڈ شاہنواز فاروقی 21

سیٹھ دولت خاں کی بیماری نگہت آرا چوہان 27

ابتدائی طبّی امداد، کیا، کیوں، کیسے؟ فراز سلیم 31

قائدِ اعظم (نظم) عارف انجم صدّیقی 35

پفن کے محافظ ایک جزیرے کے دردمند بچوں کی سرگزشت 39

حکومت کے آداب (آدابِ زندگی) ظہیر احمد 41

فاسٹ بولر سید کاشان جعفری 45

میٹھی بولی (نظم) شاہین فاروقی 49

کارٹون خواجہ عامر علی 50

لذیذ لطیفے (منتخب لطائف) 51

بولتی مچھلی آغا عبدالحمید 57

آئیے گھر سجائیں راشدہ نثار 61

پاسبان (سلسلہ وار ناول) ایف ملک سلیم 69

آخری راستہ علی مرتضٰے 79

پناہ (قسط وار ناول) عبدالعزیز عزمی 85

ماجرا ایک لکڑہارے کا ساحرہ انور 95

دائرہ معلومات اُمِّ رباب جعفری 99

بوجھو تو جانیں؟ (ذہنی ورزش) 104

انکل آئی کیو روبوٹ 105

مقابلۂ مضمون نگاری 107

ورلڈ کپ مقابلۂ پیش گوئی 111

آؤ ملائیں ہاتھ 112

نئی تحریریں 115

امّی ابو کا صفحہ نثار احمد زبیری 122

## اداریہ

کیا آپ اُس شے کے بارے میں جانتے ہیں جو دنیا کی سب سے قیمتی اور انمول شے ہے۔

یہ شے موجود تو ہر ایک کے پاس ہوتی ہے لیکن اس کی اہمیت کا احساس بہت کم لوگوں کو ہوتا ہے۔ جو اس کی قدر کرتے ہیں ترقی اور کامیابی ان کے قدم چومتی ہے اور جو اسے کھودیتے ہیں وہ ہر چیز کھودیتے ہیں۔ مسرت، امید اور خوش بختی ہر ایک چیز ان سے چھن جاتی ہے۔ اور اس شے کا نام ہے "وقت"۔ وقت جو سیکنڈوں، منٹوں، گھنٹوں، دنوں، ہفتوں، مہینوں، برسوں اور صدیوں پر پھیلا ہوا ہے، لیکن اک ذرا ٹھہریئے۔ یہ وقت جو صدیوں پر محیط ہے، یہ آپ کے لیے نہیں ہے۔ آپ کے پاس تو بس اتنا ہی وقت ہے جتنا آپ کو خدا نے عطا کیا ہے۔ چالیس پچاس سال یا زیادہ سے زیادہ ساٹھ ستر سال۔ اس سے زیادہ عرصہ تک بہت کم لوگ جیتے ہیں۔ ہر آدمی کو بس اتنی ہی مدت میں کچھ کرکے اور کچھ بن کے دکھانا ہوتا ہے۔ جو لوگ کچھ نہیں بن پاتے اور آخر میں صرف اپنی قسمت پر روتے اور منھ بسورتے ہیں، وہ خدا کی طرف سے عطا کردہ وقت کی دولت کو بیکار باتوں میں گنوادیتے ہیں۔ اور ایسی عظیم شخصیات کے متعلق بھی آپ نے سُنا اور پڑھا ہوگا جنھوں نے اپنے زمانے کو بہت کچھ فائدہ پہنچایا، معاشرے کی خدمت کی۔ ان میں آپ ایک ہی چیز مشترک پائیں گے کہ انھوں نے وقت کی قدر و قیمت کو پہچانا اور اُسے مفید کاموں میں لگایا۔

وقت کی اہمیت پر اس گفتگو کی ضرورت یوں پیش آئی کہ اکثر ساتھیوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ سارا سارا دن دوستوں کے ساتھ گلی کی نکڑ، کسی دکان یا گھر کے ڈرائنگ روم میں گپ شپ میں، تاش، کیرم یا کرکٹ کھیلنے میں گزار دیتے ہیں۔ دوستوں سے گپ شپ یا کھیل کود میں کوئی مضائقہ نہیں اگر اس میں اعتدال اور توازن موجود ہو۔ ظاہر ہے شام کا وقت کھیل کود یا دوستوں سے میل ملاپ ہی کے لیے ہوتا ہے، لیکن اگر دوپہر اور مغرب کے بعد سے رات گئے تک یہی مصروفیت رہے تو اس سے بُری بات اور کوئی نہیں ہوسکتی۔ اس سے صرف وقت ضائع ہوتا ہے اور جب ہم وقت کو ضائع کرتے ہیں تو جواباً وقت ہمیں ضائع کردیتا ہے۔ اور آخر میں پچھتاوے اور افسوس کے سوا کچھ نہیں ہاتھ آتا۔

کون نہیں چاہتا کہ معاشرے میں اس کے لیے عزت کا مقام پیدا ہو، لوگ تعظیم کریں اور زندگی چین و اطمینان کے ساتھ گزرے، لیکن اس کا تو ایک ہی طریقہ ہے کہ آپ ان کاموں اور باتوں میں وقت ضائع کرنے سے بچیئے جن سے کچھ حاصل نہ ہوتا ہو، اپنا زیادہ وقت مطالعے اور کچھ سیکھنے سکھانے میں گزاریئے۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ کامیابی اور خوش نصیبی آپ کے قدم نہ چومے۔

آپ کا دوست

ظفر محمود شیخ

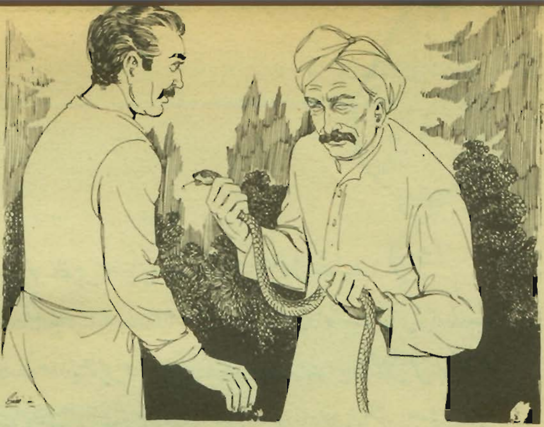

# اچھی بات

کوئی بینا اور نابینا ہم سفر تھے۔ رات کو جنگل میں ایک جگہ قیام کیا جب آخرِ شب کوچ کا وقت آیا تو اندھا اپنا کوڑا ٹٹولنے لگا۔ اتفاق سے پاس ہی ایک سانپ سردی سے اکڑ کر بے حس و حرکت پڑا تھا، اندھے نے سمجھا کوڑا ہے ہاتھ میں لیا تو معلوم ہوا کہ اپنے کوڑے سے زیادہ نرم اور لچک دار ہے، بہت خوش ہوا اور سنبھال لیا۔ جب ذرا اجالا ہوا تو ساتھی نے دیکھا کہ اندھے کے ہاتھ میں سانپ ہے۔ چلاتے لگا "ارے یہ کوڑا نہیں سانپ ہے جلدی سے پھینک دو"۔ اندھے نے جانا کہ ساتھی کوڑے کے لالچ میں یہ کہہ رہا ہے۔ بولا "میرا کوڑا تو کھو گیا، خدا نے اس سے اچھا یہ عنایت کیا ہے۔ تیری قسمت میں ہے تو تجھے بھی ایسا ہی مل جائے گا۔ میں احمق نہیں کہ فریب میں آکر اپنا کوڑا کسی کو دے ڈالوں"۔ ساتھی ہنسا اور کہنے لگا "میں تیرے بھلے کی بات کہہ رہا ہوں، اس سانپ کو ہاتھ سے جلدی پھینک دے"۔ اندھا بگڑ کر بولا، "تیرا اس کوڑے پر دانت ہے تبھی اصرار کر رہا ہے کہ میں پھینک دوں تو تو ہتھیا لے۔ منہ دھو رکھ، یہ کوڑا مجھے غیب سے ملا ہے اور میرے ہی پاس رہے گا"۔ ساتھی نے بہت کہا، قسمیں کھائیں، لیکن اندھے نے نہ مانا۔ اسی حیص بیص میں دن چڑھ گیا۔ ہوا میں گرمی پیدا ہوئی تو سانپ کی جان میں جان آئی، بل کھایا اور اندھے کے ہاتھ میں کاٹ لیا۔ وہ گھوڑے سے گرا اور ذرا سی دیر میں ٹھنڈا ہو گیا۔

حکایت انوار سہیلی

# نعت

اقبال حیدر

نورِ حق آفتابِ ہدا آپؐ ہیں ظلمتوں میں اُجالا نما آپؐ ہیں
جو صدی در صدی پھیلتا ہی گیا روشنی کا وہ اِک سلسلہ آپؐ ہیں

آپؐ آئے تو سچ کو ملی زندگی جھوٹ کے دام سے چھٹ گئی زندگی
علم اور جہل کا فرق بتلا دیا عرصۂ شر میں خیر العُلیٰ آپؐ ہیں

آپؐ آئے تو انسانیت جاگ اٹھی آپؐ لائے اخوّت کی چھاؤں گھنی
جا بجا ظلم کی دھوپ ڈھلنے لگی ہر گھڑی جلوۂ حق نما آپؐ ہیں

آپؐ معراج کی شب گئے عرش پر دوسرا کون ایسا ہے اس فرش پر
ہر بشر سے بڑا اے حبیبِ خدا جس کو حق نے دیا مرتبہ آپؐ ہیں

پہلے اللہ کے حکم پر خود چلے پھر کہا دوسروں سے عمل کے لئے
رہبری کا نمونہ ہے ذات آپؐ کی ہادیٔ باعمل رہنما آپؐ ہیں

# ڈاک ڈاک کس کی ڈاک

طاھرہ نسیم، سبزہ زار، راولپنڈی

آپ نے لکھا ہے کہ خط شائع کرانے کے لیے آپ ہمیں دھمکی نہیں دے رہی ہیں، بڑی عنایت، ویسے ہم دھمکیوں کے بغیر ہی جواب طلب خطوط کے جواب دے دیتے ہیں۔ یوں بھی دھمکی دینا اچھی عادت نہیں ہے۔ بہرحال آنکھ مچولی کے قارئین کی معصومانہ اور بے ضرر سی دھمکیاں تو ان کے خلوص و محبّت کا مظہر ہوتی ہیں۔ کرکٹ اسپیشل کی پسندیدگی کا شکریہ۔

اختر حسین، پٹیل پاڑہ کراچی۔ فقیہہ رافعہ، لاھور۔ مھرین ناز، کراچی

علی عزیز، عمر عزیز، رابعہ عزیز۔ مقام نامعلوم، رابعہ فریق نسرین، کراچی

محمد اشتیاق، پشاور۔ اختری خان، فوزیہ خان، نارتھ ناظم آباد کراچی

کرکٹ اسپیشل کی تعریفوں سے بھرپور ہزاروں خطوط ہمیں موصول ہوئے ہیں، آپ نے بھی ہماری کاوش کو پسند کیا شکریہ "برطانوی کرکٹروں کی فریاد" "میانداد کی ڈبل سینچری" "گلی کی رونق" "اور "چھکا" کے مصنّفین تک آپ کی مبارک باد پہنچا دی گئی ہے۔

نواب علی پردیسی، سانگھڑ

مقابلۂ پیشن گوئی میں حصّہ لیتے ہوئے آپ لفافے میں ٹکٹ رکھنا بھول گئے اور ہم اسے مقابلے میں شریک کرنا بھول گئے حساب برابر ہوا۔ آئندہ خیال رکھئے گا۔ دائرہ معلومات قلمی دوستی یا کسی بھی مستقل سلسلے میں شرکت کے لیے اگر کوپن یا ٹکٹ بھیجنا لازمی ہوتا ہے تو ہمارے ذہین اور سمجھدار بہن بھائیوں کو یہ بات یاد رکھنی چاہیئے۔ نامکمل حل مقابلے میں شریک نہیں کیے جاتے ہیں۔

انیس الرحمٰن مصر۔ نواب شاہ ۔ محمد ندیم لطیف، سیالکوٹ۔ محمد ابراہیم جیوہان

محمد اختر عباسی، رانوتی، سکھر۔ مرتضیٰ علی خان، کراچی۔ سید زاہد عباس، لاہور

محمد عباس نوشاہی، کراچی۔ علی مرتضیٰ، کراچی۔ سہیل منصور صدیقی۔ کراچی

کرکٹ اسپیشل آپ سب کو بھی پسند آیا۔ شکریہ۔ ہمیں تعریف کے ساتھ، بلکہ تعریف سے زیادہ تنقید اچھی لگتی ہے اس سے ہمیں پرچے کو بہتر بنانے میں مدد ملتی ہے، لیکن خیال رہے کہ تنقید محض نام چھپوانے کے لیے نہ ہو۔ آپ مستقبل کے معمار ہیں، ایسے کار ہائے نمایاں انجام دیجئے جن سے آپ کا نام روشن ہو۔ آپ سب کو کرکٹ اسپیشل شروع سے آخر تک پسند آیا۔ ہماری محنت ٹھکانے لگی۔ خاص طور پر "ہارا ہوا کپتان" "آداب دوستی" "گلی کی رونق" اور "برطانوی کرکٹروں کی فریاد" آپ کو اچھی لگیں۔ مصنفین تک آپ کی مبارک باد پہنچا دی گئی ہے۔

اظہر علی راجپر پڈعیدن۔ پرنس عمران سلیم، لاہور۔ امجد علی خان۔ سکھر

آپ آنکھ مچولی کے گزشتہ شمارے منگانا چاہتے ہیں۔ اس لیے فی شمارہ ۵ روپے اور خاص شمارہ دس روپے کے حساب سے منی آرڈر بھیج دیں۔ رسالہ روانہ کر دیا جائے گا۔ کرکٹ اسپیشل کی پسندیدگی کا شکریہ "گلی کی رونق" کے مصنف ابن شہباز خان، اور "برطانوی کرکٹروں کی فریاد" کے خالق عارف انجم صدیقی صاحب تک آپ کی مبارک باد پہنچ جائے گی۔

عالیہ صلاح الدین، منگھو پیر روڈ کراچی

آپ نے اپنی بھیجی ہوئی کہانی کے بارے میں لکھا ہے کہ اسے اب شائع نہ کیا جائے کیونکہ وہ کسی اور رسالے میں شائع ہو چکی ہے۔ اچھی بہن آپ نے بلاوجہ اتنی زحمت کی وہ تو ویسے بھی۔۔۔ خیر آئندہ اس بات کا خیال رکھیے کہ اپنی کوئی بھی تخلیق ایک ہی رسالے میں بھیجیں، ایک ہی تحریر کئی جگہ شائع ہونے سے نقل کا الزام لگنے کا خطرہ رہتا ہے۔

شبینہ نعمانی، ثروت نعمانی، عذرا نعمانی، الفلاح سوسائٹی کراچی۔ عمارہ خلیل، لاہور

محمد ظفر جاوید، سکھر۔ عظمیہ اسلام، میرپور آزاد کشمیر۔ جاوید اقبال، راولپنڈی

خدا نہ کرے یہ آپ کا آخری خط ہو۔ آپ کے خطوط کے جواب حاضر ہیں اب غصہ تھوک دیجئے "کرکٹ اسپیشل" کی "بے پناہ پسندیدگی" کا "بے پناہ شکریہ" آپ کا "مطالبہ" ہے کہ اس کالم میں ہماری تصویر بھی شائع کی جائے۔ ارے بھئی کیا بچوں کو ڈرانے کے لیے کوئی اور چیز نہیں ملی آپ کو۔۔۔ بعض جگہ رسالہ دیر سے پہنچا اس کا ہمیں افسوس ہے آئندہ یہ شکایت نہیں ہوگی انشاء اللہ۔

اسماء خورشید، نارتھ ناظم آباد کراچی

اچھی بہن! آپ کی یہ غلط فہمی اب تو دور ہو گئی ہوگی کہ ہم صرف تعریفی خطوط ہی شائع کرتے ہیں۔ سلسلے وار

ناول "پناہ" کے بارے میں ہمیں متعدد خطوط موصول ہوئے ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ یہ ناول پہلے "خفیہ جزیرہ" کے نام سے چھپ چکا ہے۔ لیکن اب تک کسی نے ثبوت پیش نہیں کیا ہے اور ثبوت کے بغیر تو یہ دعویٰ محض الزام ہی کہلائے گا۔

طارق محمود، رحیم یار خان۔ عامر اقبال شیخ، کراچی۔ حامد علی شاہد، لاوہ

اوشاق علی جمالی، سکھر۔ عابد حسین، کراچی۔ شکیل احمد۔ جمرود خیبر ایجنسی

عارف خان مقام نامعلوم۔ اویس عزیز شیخ، فیصل آباد۔ طارق رحیم، ناظم آباد کراچی

آپ سب نے بھی کرکٹ اسپیشل کو سراہا ہے۔ آپ کو شکایت ہے کہ آپ کا خط شائع نہیں ہوتا۔ لیجئے اب تو آپ خوش ہیں... ایک بات ذہن نشیں رکھیے اچھی تحریر کسی جگہ سے آئے ردی کی ٹوکری میں نہیں ڈالی جاتی بعض قارئین نے کچھ چھوٹی موٹی غلطیوں کی نشاندہی کی ہے اس کا شکریہ۔ آپ سب نے خاص طور پر "بے ایمان ایمپائر" "کرکٹ اور جانور" "برطانوی کرکٹروں کی فریاد" اور کرکٹ کا قاعدہ" کی تعریف کی ہے اس کا شکریہ!

عابد حسین کھوکھراپار کراچی۔ نوید احمد، قادر پور راں۔ لعل محمد یونیورسٹی کیمپس پشاور

سالانہ خریدار بننے کے لیے نوّے روپے کا منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ گرین گائیڈ اکیڈمی کے نام بھیج دیں آپ کو ایک سال کے لیے سالانہ خریدار بنالیا جائے گا۔ آنکھ مچولی کی پسندیدگی کا شکریہ۔ تمام لکھنے والوں تک آپ کی مبارک باد پہنچائی جا رہی ہے۔

ملک طاہر حسین، میر پور آزاد کشمیر۔ تنویر اقبال چودھری، ڈڈیال آزاد کشمیر، سمیرہ مظفر اقبال

صباحت نذیر، نشتر روڈ ملتان، احمد علی دھابیجی، نورعالم مقام نامعلوم، ستارہ قریش

کراچی۔ شہناز شاہ، کراچی، سرفراز ملک، ملیر توسیعی کالونی

آپ سب نے بھی آنکھ مچولی کو سراہا ہے، نوازش، سائنسی موضوعات پر ہم بہت کچھ چھاپتے ہیں... سائنسدانوں کے حالاتِ زندگی شائع کرنے کے بارے میں آپ کی تجویز نوٹ کر لی گئی ہے۔ آپ کا خط چھپ گیا ہے حوصلہ افزائی ہوگئی آئندہ بھی تعاون جاری رکھیے۔ آپ سب کو "آل راؤنڈر" "چراغ سے چراغ" "الطاف حسین حالی" "کہانی کی تلاش" "گلی کی رونق"۔ "برطانوی کرکٹروں کی فریاد" خاص طور پر پسند آئے، شکریہ۔

صدف عزیز صادق آباد۔ سید امجد علی، حیدرآباد۔ جمیل احمد، ضلع اٹک۔ شاہنواز خان اورنگی ٹاؤن

کراچی۔ بشریٰ سعید گلشن اقبال کراچی، عمر فاروق ٹیپو لاہور۔

آنکھ مچولی کرکٹ اسپیشل نمبر آپ سب کو اچھا لگا۔ شکریہ۔ آپ بھی اسے مزید بہتر بنانے کے لیے اچھی اچھی تجاویز بھیجئے۔ ہم اسے اچھے سے اچھا بنانے کے لیے کوشاں ہیں۔

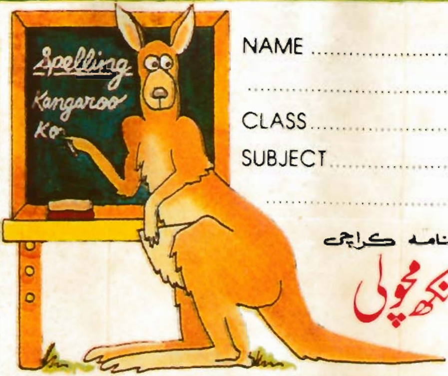


NAME ..............................

..............................

CLASS ..............................

SUBJECT ..............................

..............................

ماہنامہ کراچی

آنکھ مچولی

NAME ..............................

..............................

CLASS ..............................

..............................

SUBJECT ..............................

ماہنامہ کراچی

آنکھ مچولی

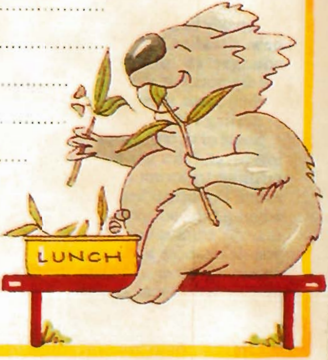

# اس مہینے کا نام کیسے پڑا؟

حمیرا لطیف

## دسمبر

آخری مہینہ دسمبر ہے۔ اس کے لاطینی میں لغوی معنے ہیں دس۔ مگر ترتیب میں یہ بارھواں مہینہ شمار ہوتا ہے۔ آج کل اس پر سال کا اختتام ہوتا ہے مگر قدیم زمانے میں یہ دسواں مہینہ ہی تھا۔ اس کے بعد جنوری اور فروری آتے تھے اور فروری ہی پر سال کا اختتام ہوجاتا تھا۔

عیسائیوں میں یہ مہینہ خوشی اور مسرت کا مہینہ ہے۔ اس مہینے میں ان کا مشہور تہوار کرسمس آتا ہے۔ بچے بوڑھے، جوان، مرد، عورت سب ہی بڑی خوشی سے اس کا استقبال کرتے ہیں۔ گھروں کو سجایا جاتا ہے۔ نئے نئے کپڑے پہنے جاتے ہیں۔ سیر و تفریح کے پروگرام بنائے جاتے ہیں۔ دعوتیں ہوتی ہیں۔ ایک دوسرے کو تحفے تحائف پیش کئے جاتے ہیں۔ اور "فادر کرسمس" ہنستے مسکراتے اپنے تھیلوں کو کھلونوں اور تحفوں سے بھرے ہوئے جب برف پوش پہاڑیوں اور میدانوں سے ہوتے ہوئے آتے ہیں تو ہر چہرہ خوشی سے کھل اٹھتا ہے۔ لوگ "فادر کرسمس" کا گرمجوشی سے استقبال کرتے ہیں۔ اور پوری قوم جشنِ عید منانے میں مصروف ہوجاتی ہے۔

دیوی دیوتاؤں کا زمانہ گزر گیا۔ لوگ اب روشن خیال ہوچکے ہیں۔ وہ پہلے زمانے کے لوگوں کی طرح ضعیف الاعتقاد نہیں رہے۔ اب سب ایک خدا پر ایمان رکھتے ہیں اور باقی سب خداؤں کا جادو ٹوٹ چکا ہے۔ مگر سال کے مہینوں کے نام صدیوں سے یہی چلے آتے ہیں۔ جو دیویوں، دیوتاؤں اور بادشاہوں کے ناموں سے منسوب ہیں۔ اور ہمیں وہ وقت یاد دلاتے ہیں جب لوگ وہمی اور کمزور عقائد کے مالک تھے، اور ایک خدائے برتر کی بجائے بے شمار خداؤں کی پرستش کرتے تھے اور ان سے مدد مانگتے تھے۔

انعام یافتہ مضمون

# حضورؐ کا بچپن

رضوانہ ظفر شیخ

حضورؐ کی ولادت باسعادت بروز پیر ۹ ربیع الاول مطابق ۲۲ اپریل ۵۷۱ء کو مکہ مکرمہ میں صبح صادق کے بعد ہوئی۔ کتنا عجیب اتفاق ہے کہ آپؐ کی ولادت، نبوت، ہجرت اور وفات بھی بروز پیر واقع ہوئے۔

والدہ ماجدہؓ نے اسم گرامی احمدؐ رکھا اور دادا عبدالمطلبؓ نے محمدؐ۔ شاید وہ جانتے تھے کہ یہ دونوں نام مقدس کتابوں میں آ چکے ہیں کیونکہ توریت نے اللہ کے آخری پیغمبر کو محمدؐ اور انجیل نے احمد کے نام سے یاد کیا ہے۔

پہلے تین دن تک والدہ محترمہؓ نے دودھ پلایا اور پھر چچا ابولہب کی کنیز ثوبیہ نے۔ دو سال قبل اسی ثوبیہ نے حضور اکرمؐ کے ننھے چچا حمزہؓ کو بھی دودھ پلایا تھا۔

عرب میں رواج تھا کہ لوگ کھلی فضا میں پرورش پانے کے لئے اپنے کمسن بچوں کو دیہاتوں میں بھیج دیا کرتے تھے۔ دیہات کی عورتیں سال میں دو مرتبہ آتیں اور شیرخوار بچوں کو پرورش کے لئے لے جاتیں اور اس خدمت کے صلے میں انہیں کافی انعامات ملا کرتے تھے۔ حضورؐ کی پیدائش کے چند ماہ بعد بنو ہوازن قبیلے کی چند عورتیں مکہ آئیں اور کئی بچے لے کر خوش خوش واپس ہوئیں۔ انہی میں ایک حلیمہ سعدیہؓ بھی تھیں جنہیں کوئی لڑکا نہ ملا تھا۔ ویسے تو حضرت عبدالمطلبؓ کے گھر کئی عورتیں آئیں لیکن بچے کو یتیم دیکھ کر واپس چلی گئیں۔ حلیمہ سعدیہؓ کو بھی جب معلوم ہوا کہ بچہ یتیم ہے تو سوچ میں پڑ گئیں۔ بھلا بچے کی سوگوار ماں سے کس صلے کی توقع کی جا سکتی تھی؟ یتیم کو کون پوچھتا ہے؟ مایوس لوٹنے لگیں تو خیال آیا کہ خالی ہاتھ جانے سے تو چکر ہی ضائع ہو جائے گا۔ نہ معلوم پھر کتنے مہینوں کے بعد آنا ہو۔ یتیم ہی سہی، کچھ نہ ہونے سے یتیم ہی بہتر ہے یہ سوچ کر حلیمہ سعدیہؓ حضورؐ کو لے کر روانہ ہو گئیں۔

حضورؐ نے ابتدائی عمر کے چار سال حلیمہ سعدیہؓ کی گود میں، اُن کے خاوند حارث کے کندھوں پر اور ان کی بیٹی شیما کے ساتھ کھیل کود میں گزارے۔ آپؐ حلیمہؓ کی بکریوں کے ساتھ کھیلتے اور بڑے ہو کر شیما کے ساتھ جنگل سے واپس لے آتے۔ اہل عرب میں بنو ہوازن اور خصوصاً بنو سعد کی زبان فصاحت

میں مشہور تھی اور یہیں ہمارے حضورؐ نے باتیں کرنا سیکھا۔ دستور کے مطابق ہر چھ ماہ بعد آپؐ کو والدہ سے ملاقات کے لئے مکہ لایا جاتا تھا۔ یوں تو صحرا کی کھلی فضا میں پرورش کی مدت پانچ سال مقرر تھی۔ لیکن بی بی آمنہؓ نے آپؐ کے لئے یہ مدت ایک سال اور بڑھا دی اور آپؐ کو اپنے رضاعی بھائی بہنوں کے ساتھ ایک سال اور رہنے کا موقع مل گیا۔

بی بی حلیمہؓ کے پاس پرورش پاکر حضورؐ مکہ لوٹے تو کنیز برکہ نے سنبھالا۔ اُسے حضورؐ سے بہت محبت تھی۔ والدہ محترمہ آپؐ کے والد حضرت عبداللہؓ کی جدائی میں سوگوار رہتی تھیں۔ آپؐ چھ سال کے ہوئے تو حضرت آمنہؓ نے آپؐ کے والد کے مزار کی زیارت کے لئے یثرب جانے کا ارادہ کیا اور کم سن محمدؐ اور برکہ کو ہمراہ لئے ایک قافلہ کے ساتھ یثرب روانہ ہوگئیں۔ حضرت عبداللہؓ کی کشش ایسی تھی کہ اس نے واپس ہونے ہی نہ دیا۔ ایک مہینے تک یثرب میں مقیم رہیں اور جب دل پر پتھر رکھ کر لوٹنے لگیں تو راستے میں ابواء کے مقام پر اُن کا انتقال ہوگیا۔ حضورؐ ایک بار پھر بے سہارا ہوگئے اور بڑی مشکلوں سے واپس مکہ اپنے دادا حضرت عبدالمطلبؓ کے گھر آپہنچے۔ حضرت عبدالمطلبؓ کو اپنے فرزند حضرت عبداللہؓ سے بہت محبت تھی اور اس کی نشانی حضورؐ بھی بہت عزیز تھے۔ انہیں اپنے یتیم پوتے کا جسے ماں بھی بچپن میں چھوڑ گئی تھی، بے حد خیال تھا اور ہمیشہ معصوم محمد کی دلجوئی کیا کرتے تھے۔

ابھی دو سال بھی گزرنے نہ پائے تھے کہ حضور کے نازک دل کو ایک اور چوٹ لگی، آپؐ ابھی آٹھ برس کے ہی ہوئے تھے کہ آپؐ کے دادا حضرت عبدالمطلبؓ کا انتقال ہوگیا۔ دادا مرتے وقت اپنے پوتے کو اپنے بیٹے حضرت ابوطالبؓ کے حوالے کرگئے۔ چونکہ حضرت ابوطالبؓ ماں کی طرف سے بھی حضرت عبداللہؓ کے حقیقی بھائی تھے اس لئے حضورؐ کو آپ کی تحویل میں دیا گیا۔ حضرت ابوطالبؓ پختہ عمر کے تھے۔ ان کی شادی عرصہ ہوا حضرت فاطمہ سعدیہؓ سے ہوچکی تھی۔ لیکن ان کا صرف ایک ہی کمسن بچہ طالب تھا دونوں میاں بیوی نے بھتیجے کی حقیقی بیٹے کی طرح پرورش کی۔ اب حضورؐ کو کھوئی ہوئی مامتا ہی نہیں، باپ کا پیار بھی مل گیا اور کھیلنے کے لئے ایک چھوٹا بھائی بھی۔ حضورؐ دن بھر بکریوں کی رکھوالی کرتے جنگل میں انہیں چراتے رہنا۔ بیری کے بیر کھانا، اونٹوں کی مہار پکڑنا، بکری کے بچوں سے پیار کرتے اور گھر کے چھوٹے موٹے کام کرتے، اس چھوٹی سی عمر میں اس کے سوا اور کیا کام ہو سکتے تھے۔

حضورؐ بچپن سے ہی بڑے حیادار اور شرمیلے تھے۔ ایک دن آپؐ کے ساتھ جنگل میں کھیلتے ہوئے بچوں نے کھیل کے لئے پتھر ڈھونا شروع کردیئے۔ اس عمر کے بچوں کا طریقہ تھا کہ تہبند کی چادر اتار کر کندھے پر ڈال

دیتے تھے تاکہ کندھے پر لدے ہوئے پتھر نہ چبھیں کیونکہ کم سنی کی وجہ سے ننگے پھرنے میں وہ کوئی عیب نہ سمجھتے تھے لیکن حضورؐ ننگے کندھوں پر ہی پتھر ڈھوتے رہے اور بچوں کے اصرار کے باوجود تہبند اتارنے سے انکار کردیا۔ فطری حیا نے کم سنی میں بھی عریانی کی اجازت نہ دی۔ بُت پرستی سے نفرت آپؐ کو ہوش سنبھالتے ہی ہوچکی تھی۔ بھلا سیّد البشر بے جان پتھروں کے سامنے سر کیسے جھکاتا؟ آپؐ کو ابتدا سے ہی بتوں سے نفرت تھی کہ ان کی قربان گاہوں پر ذبح کئے ہوئے جانور کا گوشت کھانا بھی گوارا نہ کرتے تھے۔

قریشِ مکہ تمام تر تجارت پیشہ تھے۔ دراصل بنو فہر کا نام "قریش" اسی پیشے کی وجہ سے پڑا تھا۔ عربی میں تقرش کے معنی تجارت کے ہیں۔ قریش کا ہر گھر تجارت میں مصروف تھا۔ مقامی پیداوار برآمد کرنا اور اس کے بدلے غلہ، کپڑا، برتن، اسلحہ، سونا چاندی وغیرہ درآمد کرنا ان کا محبوب مشغلہ تھا۔

نو عمری میں شہ سواری، تیر اندازی، نیزہ بازی اور فنونِ سپاہ گری سے دلچسپی عرب نوجوانوں کا مرغوب مشغلہ ہوا کرتا تھا۔ حضور کے ہم عمر چچا حمزہؓ اور عباسؓ ان میں مصروف نظر آتے تھے لیکن حضورؐ کو ان کاموں سے کوئی دلچسپی نہ تھی شاید اس لیے کہ مولائے کریم انہیں بچپن سے ہی بیرونی اثرات سے محفوظ رکھ کر ایک مثالی انسان بنانا چاہتے تھے، سید البشر، رحمت العالمین۔ (صلّی اللہ علیہ وسلّم)


# حق اسکواڈ

ماہنامہ آنکھ مچولی کا مقبول ترین سلسلۂ تحریر

اخلاق احمد کی مہماتی کہانیوں کا دلچسپ مجموعہ

کتابی صورت میں شائع ہوگیا ہے۔ قریبی بک اسٹال سے طلب فرمائیں

- برائیوں سے برسرِ پیکار نو کمسن مجاہدوں کے کارنامے ۔
- ذہانت اور شجاعت سے بھرپور حیرت انگیز واقعات ۔
- خوبصورت اسکیچز — بہترین کتابت — اعلیٰ طباعت
- حسین سرورق اور ۱۰۰ سے زائد صفحات ۔

قیمت صرف ۱۰ روپے

- — حق اسکواڈ کے حصول کے لئے ۱۰ روپے کا منی آرڈر بھجوا دیں ۔
- — دوکاندار اور ایجنٹ حضرات آرڈر سے مطلع کریں ۔

پتہ ماہنامہ آنکھ مچولی گرین گائیڈ اکیڈمی ڈی - ۱۱۲ سائٹ کراچی نمبر ۱۶

ابن شہباز خان

# عظیم تاریخ ساز شخصیت

"اخلاق، جرأت، محنت اور استقلال !... یہ وہ چار ستون ہیں، جن پر انسانی زندگی کے محل تعمیر کیے جاتے ہیں۔ میں لفظ ناکامی سے ناآشنا ہوں۔ اگر مسلمان یک جہتی اور اتفاق کو اپنالیں تو وہ بہت جلد اپنی مراد کو پالیں گے !"

یہ الفاظ اس ہستی کے ہیں، جس نے انگریز اور ہندوؤں کی زبردست قوتوں کو شکست دے کر برِّصغیر کے نو کروڑ مسلمانوں کو آزادی کی نعمت سے ہمکنار کیا۔ اس تاریخ ساز اور انقلاب آفریں شخصیّت کو دنیا بانیٔ پاکستان حضرت قائدِاعظم محمد علی جناح کے نام سے جانتی ہے ۔

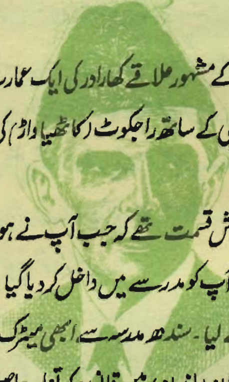

آپ ۲۵ر دسمبر ۱۸۷۶ء کو کراچی کے مشہور علاقے کھارادر کی ایک عمارت "وزیر مینشن" میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والدِ محترم جناح پونجا بھائی اپنے والد میگھ جی کے ساتھ راجکوٹ (کاٹھیاواڑ) کی ایک ریاست گوندل کے گاؤں پنیلی سے آکر ۱۸۶۲ء میں کراچی آباد ہوئے تھے ۔

قائدِاعظم اس لحاظ سے بڑے خوش قسمت تھے کہ جب آپ نے ہوش سنبھالا تو ہر طرف آرام و آسائش کی فراوانی تھی۔ جب آپ چھ برس کی عمر کو پہنچے تو آپ کو مدرسے میں داخل کر دیا گیا۔ دس سال کی عمر میں بمبئی پہنچ کر آپ نے گوکل داس تیج پرائمری اسکول میں داخلہ لے لیا۔ سندھ مدرسہ سے ابھی میٹرک پاس نہیں کیا تھا کہ ۱۸۹۲ء میں بیرسٹر بننے کی خواہش میں انگلستان چلے گئے اور لنکنز اِن (لندن) میں قانون کی تعلیم حاصل کرنے لگے۔ انھوں نے اس درسگاہ کو بقول خود ان کے، اس لیے پسند کیا تھا کہ اس درسگاہ کے دروازے پر محمد رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی ان لوگوں میں درج تھا، جنھوں نے دنیا کو عظیم دساتیر عطا کیے ہیں۔ بس یہی چیز تھی، جس نے انھیں اس درسگاہ میں علمِ قانون سیکھنے پر آمادہ کیا۔ اس درسگاہ میں تعلیم کے دوران انھوں نے اپنا نام محمد علی جناح بھائی سے صرف محمد علی جناح اختیار کیا۔

قائدِاعظم نے اپنی تعلیم بڑی محنت سے مکمّل کی اس کا اندازہ برٹش میوزیم کے کتب خانے کے ریکارڈ سے ہوتا ہے کہ وہ یہاں مطالعے کی غرض سے پابندی سے آتے اور دیر تک مطالعے میں غرق رہتے۔ قائدِاعظم نے صرف دو سال کے قلیل عرصے میں اپنی بیرسٹری کی تعلیم مکمل کی۔ ۱۸۹۶ء میں وہ لندن سے کراچی واپس پہنچے۔ لیکن جلد ہی وکالت

کے پیشے کو باقاعدہ اپنانے کے لیے بمبئی تشریف لے گئے۔ جہاں اپنے آپ کو ایڈووکیٹ کی حیثیت سے رجسٹرڈ کرایا۔ ابتداً میں انھیں ناموافق حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ مگر صبر و استقلال مسلسل محنت اور ایمانداری کے ذریعے انھوں نے جلد ہی کامیاب پریکٹس کرنے والے وکلاء کی صف میں خود کو شامل کرالیا۔

قانون کی تعلیم حاصل کرنے کے دوران قائداعظم نے سیاست میں بھی دلچسپی لی۔ آپ اس زمانے کے پارسی لیڈر دادابھائی نوروجی کے خیالات سے بہت متاثر ہوئے اور زیادہ تر ان کے ساتھ رہنے لگے۔ ۱۹۰۶ء میں آپ کانگریس کے اجلاس کلکتہ میں شریک ہوئے۔ اس کے صدر دادابھائی نوروجی تھے۔ ان دنوں قائداعظم ان کے پرائیویٹ سیکریٹری تھے۔ اس اجلاس میں آپ نے پہلی تقریر کی۔ حسنِ اتفاق سے یہ تقریر مسلمانوں کے قانونِ وقف علی الاولاد کے متعلق تھی۔ سامعین قائداعظم کی تقریر سے بہت متاثر ہوئے اور انھیں پتا چلا کہ برِصغیر کے آسمانِ سیاست پر ایک نیا ستارہ چمکا ہے..!

۱۹۱۰ء میں آپ امپیریل کونسل (برطانوی ہند) کے رُکن منتخب ہوئے۔ آپ کانگریس کے سرگرم رُکن تھے۔ بعد میں جب آپ کو کانگریس کی مسلمان دشمن پالیسیوں کے بارے میں علم ہوا تو آپ ۱۹۱۳ء میں مولانا محمد علی جوہر اور سید وزیر حسن کے کہنے پر مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔ مسلم لیگ کا قیام ۱۹۰۶ء میں عمل میں لایا گیا تھا۔

۱۹۳۷ء میں مسلم لیگ کا اجلاس لکھنؤ میں منعقد ہوا۔ قائداعظم اس میں شریک ہونے کے لیے بمبئی سے تشریف لائے۔ جب آپ کی ٹرین کانپور کے اسٹیشن پر پہنچی تو مسلمانوں کے جمِ غفیر نے ڈبّے کو گھیر لیا اور زور زور سے نعرے لگائے: "ہم آپ کے اشارے پر اپنی جانیں قربان کرنے کے لیے تیار ہیں"۔ دوسرے دن آپ زندگی میں پہلی مرتبہ اریب پاجامہ، شیروانی اور سیاہ استرخانی ٹوپی پہنے اسٹیج پر نمودار ہوئے...!

قائداعظم کے مسلم لیگ میں شامل ہونے کے بعد مسلم لیگ ایک زندہ جماعت بن گئی۔ اس سے پہلے یہ ایک کاغذی جماعت سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی تھی۔ مسلمانوں کو قائداعظم کی صورت میں ایک سچا اور صحیح رہبر ملا۔ تو انھوں نے قائداعظم کی رہنمائی میں ایک آزاد وطن کے لیے سخت جدّوجہد شروع کر دی۔ اسی جدّوجہد کے دوران فیصلہ کیا گیا کہ ۲۲، ۲۳، ۲۴ مارچ ۱۹۴۰ء کو لاہور میں ایک عظیم الشان جلسے کا اہتمام کیا جائے اور اس میں ایک علیحدہ مملکت کا مطالبہ کیا جائے۔ اس فیصلے نے نہ صرف ہندوؤں، بلکہ انگریزوں کو بھی تشویش میں ڈال دیا۔ چنانچہ انگریز اور ہندو مشترکہ طور پر یہ کوشش کرنے لگے کہ کسی طرح سے بھی مسلم لیگ کے اس اہم اجلاس کو ناکام بنا دیا جائے، لیکن وہ اپنے ان مذموم مقاصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔ ۲۱ مارچ ۱۹۴۰ء کو منٹو پارک (موجودہ اقبال پارک) میں ایک لاکھ سے زائد افراد جمع ہوئے اور آل انڈیا مسلم لیگ کا تاریخی اجلاس شروع ہوا۔ سر شاہ نواز خان ممدوٹ نے خطبۂ

استقبالیہ پڑھا۔ قائدِاعظم نے صدارتی تقریر میں دو قومی نظریے کی وضاحت کی اور لوگوں کو بتایا کہ اب وقت آگیا ہے کہ ہندوستان کے مسلمان اپنی ایک علیٰحدہ مملکت کا مطالبہ کریں۔

۲۳ر مارچ ۱۹۴۰ء کا دن تاریخ ہند و پاک میں بڑی اہمیّت کا حامل ہے۔ اسی دن مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کی تیّار کردہ قرارداد کو مولوی فضل الحق نے ہندوستان کے مختلف گوشوں سے آئے ہوئے مندوبین اور پنجاب کے شیر دل مسلمانوں کے سامنے پیش کیا۔ اس قرارداد کو "قراردادِ لاہور" کا نام دیا گیا۔ جو بعد میں قراردادِ پاکستان کے نام سے مشہور ہوئی۔

۱۴ر اگست ۱۹۴۷ء... یہی وہ مبارک اور بابرکت دن ہے۔ جب پاکستان نام کی ایک اسلامی ریاست دُنیا کے نقشے پر نمودار ہوئی۔ ۱۴ر اگست کو قائدِاعظم نے پاکستان کے پہلے گورنر جنرل کا عہدہ سنبھالا اور شہیدِ ملّت لیاقت علی خاں کو پاکستان کا پہلا وزیرِاعظم مقرّر کیا۔

قائدِاعظم کی غیر معمولی صلاحیتوں، اعلیٰ کردار اور سیاسی کارناموں سے کون واقف نہیں۔ ان کے فاضلانہ اور جراُتمند کردار نے برّصغیر کے کروڑوں مسلمانوں کے لیے دنیا کی سب سے بڑی مسلم ریاست پاکستان کو حقیقت کے روپ میں ڈھال کر دم لیا۔ ان کے اس عظیم کارنامے کی مثال تاریخ اقوامِ عالم میں نہیں ملتی۔ قائدِاعظم نے آزادی کی جنگ جس طرح تنِ تنہا جیتی اس کی یاد ہمیشہ ہمارے ذہنوں میں تازہ رہے گی۔

## قائدِاعظم بحیثیت وکیل

یہ بات شاید کم لوگوں کو معلوم ہو کہ قائدِاعظم نے اپنی قابلیت کے جوہر جس طرح میدانِ سیاست میں دکھائے۔ اسی طرح انھوں نے بحیثیت وکیل میدانِ عدل و انصاف میں بھی کارنامے انجام دیے۔ انھوں نے وکالت کے زمانے میں یادگار مقدمات لڑے اور ان میں کامیاب ہوئے۔ انھوں نے اپنی انتھک محنت اور کوششوں سے وکالت کے پیشے میں بہت جلد شہرت حاصل کرلی تھی۔ انھوں نے دیوانی اور فوجداری، دونوں قسم کے مقدمات لڑے اور فتح مند ہوئے۔ انھوں نے دولتِ مشترکہ کی اعلیٰ ترین عدالت "پریوی کونسل" میں بھی اپنے نقشِ دوام چھوڑے۔

قائدِاعظم ۱۹۰۰ء میں پریذیڈنسی مجسٹریٹ مقرر ہوئے۔ یہ اسامی عارضی تھی۔ جب ملازمت پوری ہوئی تو انگریز لاء ممبر نے عہدے کی معیاد میں توسیع کرنے کا ارادہ کیا۔ لیکن قائدِاعظم نے انکار کر دیا۔ انگریز ممبر اُن کے انکار پر بڑا حیران ہوا۔ اور انھیں سمجھایا کہ پندرہ سو روپے ماہوار کی جگہ چھوڑنا عقلمندی نہیں۔ اس پر قائدِاعظم نے جواب دیا۔ "اگر جناح ۱۵۰۰ر روپے یومیہ آمدنی پیدا کرے تو وہ دانشمندی ہوگی کہ یہ پندرہ سو روپے ماہوار کی ملازمت؟" قائدِاعظم کے اس پُرعزم جواب پر وہ انگریز نہ صرف دنگ رہ گیا، بلکہ اس باحوصلہ جواب پر وہ نوجوان وکیل کا مدّاح

بھی ہوگیا۔ بعدازاں قائدِاعظم نے اپنے بلند حوصلے اور خوداعتمادی کے ذریعے اپنی بات کو صحیح ثابت کر دکھایا۔ اور ایک وقت ایسا آیا کہ وہ پندرہ سو کے بجائے ہزاروں کی آمدنی پیدا کرنے لگے۔

ایک مرتبہ کوئی شخص قائدِاعظم کی خدمت میں قانونی مشورہ لینے حاضر ہوا۔ قائدِاعظم نے کیس کی نوعیت دیکھی۔ اور اپنی فیس سے اس شخص کو مطلع کر دیا۔ فیس زیادہ تھی اور رقم تھوڑی۔ اس شخص نے کہا "میرے پاس کل دس ہزار روپے ہیں!" اس پر قائدِاعظم نے کیس دیکھنے سے انکار کر دیا۔ اس شخص کے اور قائدِاعظم کے مابین یہ طے ہوا کہ کیس کی فائل کا اس وقت تک مطالعہ کیا جائے، جہاں تک موجودہ رقم ساتھ دے سکے۔ چنانچہ قائدِاعظم نے گھڑی سے ٹائم نوٹ کرنے کے بعد فائل دیکھنی شروع کی۔ اتفاق سے انھوں نے ساری فائل اتنی دیر میں ختم کی کہ اُس وقت کی اُجرت کل تین ہزار پانچ سو روپے تک ہوسکی۔ چنانچہ بقایا رقم قائدِاعظم نے اپنے سیکریٹری کے ذریعے مؤکل کو لوٹا دی۔

دوسری جنگِ عظیم کے زمانے میں ایک فوجی ٹھیکیدار کسی معاملے میں قائدِاعظم سے قانونی مشورہ کرنے آیا۔ انھوں نے حالات و واقعات غور سے سُننے اور صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے فرمایا کہ اس کے خلاف انگریز حکام کا مؤقف درست ہے۔ اور مؤکل کی کامیابی کا کوئی امکان نظر نہیں آتا۔ یہ دوٹوک جواب سُن کر مؤکل دل برداشتہ ہوکر چلا گیا۔ کچھ دن گزرے کہ وہی شخص اپنی کامیابی کا پروانہ لیے قائدِاعظم کی خدمت میں دوبارہ حاضر ہوا اور کہا "آپ کے قانون میں تو میری کامیابی کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ لیکن اثرورسوخ نے یہ گنجائش پیدا کر دی۔ یہ دیکھیے، میری کامیابی کی سند!"

قائدِاعظم نے فیصلے کا کاغذ دیکھ کر فرمایا "اگر انگریز حکومت میں عدل و انصاف کی جگہ اثرورسوخ اور رشوت نے لے لی ہے تو یقین رکھو کہ انگریز حکومت اس ملک میں زیادہ دیر باقی نہیں رہے گی!" اور دنیا نے بعد میں دیکھ لیا کہ وقت نے قائدِاعظم کے ان دانشورانہ ارشادات کو کس طرح سچا کر دکھایا کہ جس سلطنت میں سورج کبھی غروب نہ ہوتا تھا، وہاں اب سورج بہت کم نظر آتا ہے۔!

پاکستان حاصل کرنے کے لیے قائدِاعظم نے جتنی جدّوجہد کی تھی، پاکستان بننے کے بعد اس سے بھی زیادہ محنت کرتے رہے۔ جس کی وجہ سے ان کی صحت خراب ہوتی چلی گئی۔ یوں ہمارے پیارے قائدِاعظم ۱۷ رسال ۸ رماہ اور ۱۶ ردن کی حیاتِ بابرکت بسر کرکے ۱۱ ستمبر ۱۹۴۸ء کو جنت الفردوس سدھارے۔

حضرت قائدِاعظم بلاشبہ ایک عظیم انسان تھے۔ سال میں جب بھی کوئی ان کا خاص دن آتا ہے۔ ہم انھیں ڈھیروں خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں، لیکن ان کے لیے اس سے بہتر اور کوئی خراجِ عقیدت نہیں ہوسکتا کہ ہم ان کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اپنی صفوں میں اتحاد، اتفاق اور نظم پیدا کریں۔

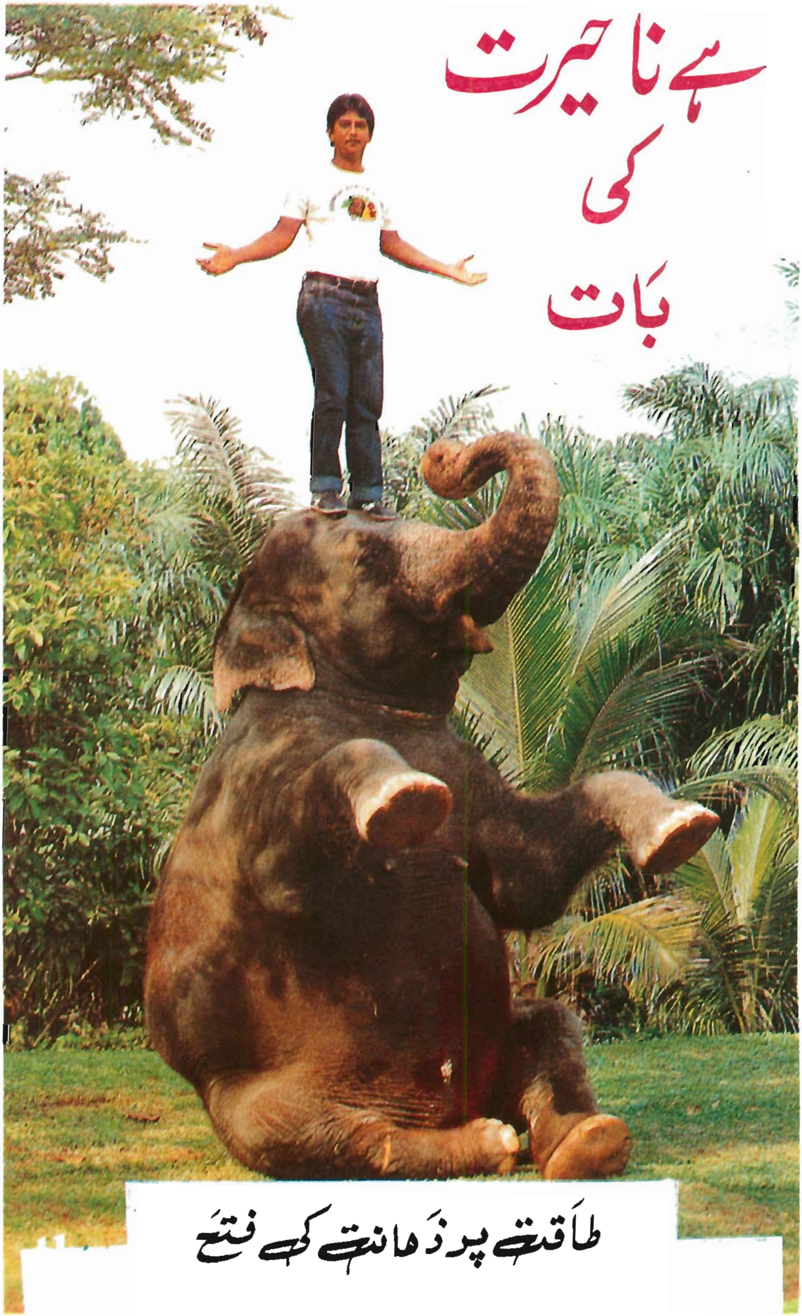
ہے نا حیرت کی بات
طاقت پر ذہانت کی فتح

a great new taste
mayfair
Fruta Chew
Chew it, you'll love it.
Fruta Chew
Fruta Chew
mayfair
– the sweet favourites

شاہنواز فاروقی

# ایلس اِن ونڈرلینڈ

## دُنیا بھر میں بچّوں کی مقبول ترین کتاب

اُدھر پیچھے گرجا گھر، اِدھر بائیں جانب کرائیسٹ چرچ کالج اور سامنے رہنے کے کوارٹرز۔ یہیں باغ میں پیڑوں کی گھنی پتّیوں سے چھَن چھَن کر آتی ہوئی پیاری پیاری دھوپ۔ "میں بھلا کب تک یونہی بیٹھی رہوں!" اپنی بڑی بہن کے ساتھ بیٹھی ننّھی ایلِس نے بور ہوتے ہوئے سوچا۔ "بجیا بھی عجیب ہیں، پتہ نہیں کیسی کیسی کتابیں پڑھتی رہتی ہیں۔ جن میں نہ کوئی تصویر ہوتی ہے اور نہ کسی پری کا قصّہ۔۔۔ اس کے باوجود بھی بجیا سارا سارا دن کتابوں سے آنکھیں چپکائے انھیں پڑھتی رہتی ہیں۔۔۔ ہنہ۔۔۔ لیکن مجھے کیا؟ بجیا سے میری کُٹّی۔۔۔ ارے ارے باغ میں یہ کون چلا آرہا ہے؟"

ایلس نے دیکھا ایک خرگوش صاحب شاندار کوٹ پتلون پہنے اور ٹائی لگائے خراماں خراماں چلے آرہے ہیں۔ ارے واہ! یہ صاحب تو جیب سے گھڑی نکال کر دیکھ رہے ہیں۔ اور لیں! وہ تو گھڑی دیکھتے ہی بھاگنے لگے ہیں۔ دیکھوں تو آخر یہ جا کہاں رہے ہیں؟ اور ننّھی ایلِس اُٹھ کر خرگوش کے پیچھے ہولی۔ خرگوش تھوڑی دُور چل کر ایک بِل میں گھُس گیا۔

مصنف : لیوس کیرل

حقیقی کردار ننھی ایلس

ایلِس بھی اُس کے پیچھے بِل میں داخل ہوگئی۔ لیکن ایلِس جیسے ہی بِل میں داخل ہوئی اُسے محسوس ہوا جیسے وہ کسی طویل سرنگ میں آگئی ہے۔ یہ سوچ کر اُسے بہت ڈر لگا لیکن اس سے قبل کہ ایلِس کچھ اور سوچتی وہ ایک بہت گہرے کنویں میں گرتی چلی گئی اور بالآخر ایک کمرے میں پہنچ گئی۔ کمرے میں کانچ کی بڑی بڑی الماریوں میں دُنیا بھر کی چیزیں رکھّی ہوئی تھیں۔ کمرے کے کئی بڑے بڑے خوبصورت دروازے تھے۔ جن پر جھالر والے پردے لٹکے ہوئے تھے اور کمرے کے درمیان میں کانچ کی ایک گول میز رکھّی ہوئی تھی۔

ایلِس نے دیکھا میز پر ایک سونے کی چابی رکھّی ہوئی ہے۔ اُس نے چابی اُٹھالی۔ اور سوچا، جب چابی ہے تو اس کا تالا بھی ہوگا۔ یہ سوچ کر اُس نے سب دروازے دیکھ ڈالے لیکن وہ چابی کسی بھی دروازے کے تالے کے لیے کارآمد ثابت نہ ہوئی، کیونکہ سبھی تالے اُس ننھّی مُنّی چابی سے بہت بڑے تھے۔

اس صورتِ حال سے ننھّی ایلِس پریشان ہوگئی۔ ہائے اب کیا ہوگا؟ اگر میں باہر نہ نکل سکی تو بجیا مجھے کہاں ڈھونڈیں گی؟ اس کے علاوہ میری پیاری بلّی ڈائنا مجھے یاد کرکے کتنا روئے گی؟ ہائے اب میں کیا کروں؟ ایلِس نے پریشان نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھنا شروع کردیا۔ اچانک اُس کی نظر ایک چھوٹے سے دروازے پر پڑی جس میں اُس کے پاس ننھّی مُنّی چابی کی طرح ایک چھوٹا سا تالا لگا ہوا تھا۔ ایلِس نے جلدی سے چابی اُس تالے میں لگائی تو وہ کھُل گیا۔ اُس نے پھُرتی سے دروازہ کھولا تو دیکھا کہ دروازے کی دوسری جانب ایک بہت خوبصورت باغ ہے۔ جس میں گلاب، چنبیلی، چمپا، للی اور نہ جانے کون

کون سے پھول کھلے تھے ۔ پھولوں کے علاوہ باغ میں طرح طرح کے پھلوں کے پیڑ بھی تھے ۔ چیریوں، آموں، سنتروں، انگوروں اور نہ جانے کن کن پھلوں کے پیڑ ۔۔۔ یہ سب دیکھ کر ایلس کے منہ میں پانی بھر آیا ۔ اور اُس نے چاہا کہ وہ جلدی سے باغ میں کود جائے اور جی بھر کے اپنے من پسند پھل کھائے لیکن دروازہ اتنا چھوٹا تھا کہ ایلس اُس میں سے کسی طرح بھی نکل نہیں سکتی تھی ۔ ایلس نے اُکتا کر ننھی مُنّی چابی ایک میز پر رکھ دی اور پھر کمرے میں اِدھر اُدھر گھومنے لگی ۔ اچانک اُس کی نظر ایک بوتل پر پڑی جس میں لال رنگ کا کوئی مشروب بھرا ہوا تھا اور بوتل پر لکھا تھا "مجھے پی لو" ایلس نے مشروب پینے کے لیے بوتل کی جانب ہاتھ بڑھایا، لیکن پھر یہ سوچ کر رُک گئی کہ کہیں اس میں زہر ہی نہ ہو ۔ اُس نے بوتل کو اُٹھا کر اُلٹ پلٹ کر دیکھا لیکن کہیں بھی زہر وغیرہ نہیں لکھا ہوا تھا ۔ اُس نے بالآخر ہمت کر کے بوتل کی ایک بوند چکھ لی ۔۔۔ مشروب بہت مزیدار تھا ۔ چنانچہ ایلس غٹا غٹ ساری بوتل پی گئی ۔ بوتل کا پینا تھا کہ ایلس ایک دم ننھی مُنّی گڑیا سی بن گئی ۔ چھوٹے چھوٹے ہاتھوں، چھوٹے چھوٹے پیروں اور چھوٹی چھوٹی آنکھوں والی ننھی مُنّی سی گڑیا ۔

ایلس نے سوچا اب تو میں دروازے سے نکل کر باہر جا سکوں گی ۔ اس خیال کے آتے ہی اُس نے خوشی سے تالی بجائی ۔۔۔ لیکن افسوس قسمت نے ایک بار پھر ایلس کا ساتھ نہیں دیا ۔ ایلس نے کمرے کا دروازہ کھولنے کے لیے میز پر رکھی ہوئی چابی اٹھانا چاہی لیکن ایلس چونکہ ننھی مُنّی گڑیا بن چکی تھی اس لیے میز پر رکھی ہوئی چابی تک اس کے ہاتھ نہ پہنچ سکے ۔ اُس نے بار بار میز کے پائے پر چڑھ کر چابی اتارنے کی کوشش کی لیکن وہ ہر بار شیشے کے پائے سے پھسل کر نیچے آ جاتی ۔ "کیا مصیبت ہے ۔" ایلس نے سوچا ۔ پہلے میں بڑی تھی دروازہ چھوٹا تھا اور اب میں چھوٹی ہو گئی ہوں تو یہ میز اتنی اونچی ہو گئی ہے ۔

ایلس پھر کمرے میں اِدھر اُدھر گھومنے لگی ۔ اچانک اُسے ایک کٹورے نما برتن میں کیک جیسی کوئی چیز رکھی نظر آئی ۔ جس پر لکھا تھا "مجھے کھا لو" ایلس نے زہر وغیرہ کا خوف محسوس کیے بغیر وہ کیک نما چیز کھا لی ۔ جس کے کھاتے ہی ایلس کا قد ایک دم تیزی کے ساتھ بڑھنے لگا اور تھوڑی ہی دیر میں ایلس کا سر کمرے کی چھت سے جا لگا ۔ اُس نے بڑی مشکل سے جھک کر چابی اُٹھائی ۔ لیکن اب سوال یہ تھا کہ فرش سے ذرا ہی اونچے دروازے کو کیسے کھولا جائے ؛ بالآخر دروازہ کھولنے کے لیے وہ دھڑام سے فرش پر لیٹ گئی اور لیٹ کر دروازہ کھولا ۔ ایلس کی آنکھیں اب اتنی بڑی بڑی ہو چکی تھیں کہ صرف ایک آنکھ ہی پورے دروازے کے برابر تھی ۔ چنانچہ اُس نے ایک آنکھ سے ہی باہر کا نظارہ کیا ۔۔۔ لیکن اب سوال یہ تھا کہ وہ باہر جائے تو کس طرح جائے ؟ کیا اب میں ہمیشہ یہیں رہوں گی ؟ اور کیا اب میں اپنی نرم اور ملائم بلّی سے کبھی نہیں مل سکوں گی ؟

ایلس یہ سب کچھ سوچ کر اتنا روئی اتنا روئی کہ اُس کے آنسوؤں سے ایک تالاب بن گیا ۔ اور ایلس اپنے آنسوؤں کے تالاب میں تیرنے لگی ۔ تیرتے تیرتے ایلس نے چھپک چھپک کی آوازیں سنیں ۔ دیکھا تو وہی خرگوش صاحب لباس تبدیل کر کے ایک دم ہیرو بنے ایک ہاتھ میں دستانہ پہنے اور دوسرے ہاتھ میں پنکھا لیے چلے آ رہے ہیں ۔

اور پھر تو ایلس کو وہاں ہر لمحہ عجیب و غریب واقعات کا سامنا کرنا پڑا۔ جن کا تذکرہ سُن سُن کر نہ تو بچّے کبھی بور ہوتے ہیں اور نہ بڑے انھیں سُنا سُنا کر کبھی اُکتاتے ہیں۔

ساتھیو! یہ تھے چند واقعات اُس دلچسپ کہانی کے جسے اس وقت دنیا میں بچّوں کی مقبول ترین کہانی ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ یہ کہانی یعنی "ایلس اِن ونڈر لینڈ" ۱۸۶۵ء میں کتابی صورت شائع ہو کر مقبولیت کے تمام ریکارڈ توڑ چکی ہے۔ اس کی مقبولیت کا اندازہ اس امر سے ہوتا ہے کہ یہ دنیا کی تقریباً ہر زبان میں شائع ہو چکی ہے۔ عالمی سطح پر مقبولیت حاصل کرنے والی اس کہانی کے خالق برطانیہ کے نامور ریاضی داں، مصوّر، شاعر اور ادیب لٹ وِڈ ڈاڑسن ہیں۔ جنھوں نے "لیوس کیرول" کے قلمی نام سے یہ عظیم کہانی لکھی۔

کہانی جتنی دلچسپ ہے اتنے ہی دلچسپ حالات اس کہانی کے خالق اور اس کہانی کے مرکزی کردار ایلس کے بھی ہیں۔ آئیے ہم اس بارے میں بھی آپ کو اپنی معلومات میں شریک کرتے ہیں۔

جیسا کہ ہم نے اوپر لکھا ہے کہ اس کہانی کا مرکزی کردار ایلس نام کی ایک لڑکی ہے، جس کی عمر ۱۰ سال ہے۔ ایلس کے کردار کے سلسلے میں سب سے زیادہ دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ دُنیا بھر میں لکھی جانے والی دیگر کہانیوں کے کرداروں کی طرح یہ کردار تصوّراتی نہیں ہے۔ بلکہ حقیقی ہے۔ یعنی ایلس نام کی ایک لڑکی سچ مُچ ہماری دنیا میں موجود تھی اور اس کہانی کے خالق لیوس کیرول نے یہ کہانی اور دوسری کئی اور کہانیاں اس لڑکی سے متاثر ہو کر لکھی ہیں اس کہانی کے مرکزی کردار ایلس کا پورا نام ایلس پلے زینس لِنڈل تھا۔ ایلس کی تین اور بہنیں بھی تھیں جو اس کہانی کے دوسرے کردار ہیں۔

"ایلس اِن ونڈر لینڈ" کے خالق لیوس کیرول کو بچّوں سے بہت پیار تھا۔ وہ جب بھی کسی کے گھر ملنے جاتے تو بڑے لوگوں سے سلام دعا کے بعد اُس گھر میں موجود بچّوں کو اپنے پاس بلاتے اور پھر اُن سے ڈھیروں باتیں کرتے۔۔ انھیں مزے مزے کے قصّے سُنا کر خوب ہنساتے۔ لیوس کیرول پیشے کے اعتبار سے استاد تھے۔ وہ برطانیہ کے شہر آکسفورڈ میں واقع کرائسٹ چرچ کالج میں ریاضی پڑھایا کرتے تھے۔

لیوس کیرول جس زمانے میں کرائسٹ چرچ کالج کے کوارٹرز میں رہائش پذیر تھے اُسی زمانے میں اُن کی ملاقات ایلس سے ہوئی تھی۔ ایک دن وہ اپنے کمرے کی کھڑکی سے باہر کا نظارہ کر رہے تھے کہ انھوں نے سامنے واقع باغ میں تین چھوٹی چھوٹی لڑکیوں کو کھیلتے دیکھا۔ وہ یونہی ٹہلتے ٹہلتے اُن لڑکیوں کے پاس جا پہنچے اور ان کے ساتھ کھیلنے لگے۔ اُس دن کے بعد وہ اُن بچّیوں سے روز باغ میں ملنے لگے۔ بچیاں بہت جلد کیرول سے مانوس ہو گئی تھیں۔ آہستہ آہستہ اُن کی دوستی اتنی پکّی ہو گئی کہ وہ ساتھ ہی پکنک پر بھی جانے لگے۔ ۴ر جولائی ۱۸۶۲ء کو وہ ایک ساتھ پکنک پر گئے۔ پکنک کے دوران بچّوں نے لیوس کیرول سے کہانی سنانے کی فرمائش کی۔ بس اُسی دن سے یہ کہانی شروع ہو گئی۔ لیوس کیرول کے

مطابق کہانی سُنانے سے قبل انھیں بالکل اندازہ نہیں تھا کہ کہانی میں آگے کیا ہوگا؟ بس وہ کہانی سناتے گئے اور کہانی آگے بڑھتی گئی۔ ایلس کو یہ کہانی اتنی پسند آئی کہ وہ ہر روز لیوس کیرول سے یہی کہانی سننے کی فرمائش کرنے لگی۔ چنانچہ انھوں نے کہانی کو اپنی ننّھی دوست ایلس کے لیے ایک نوٹ بُک میں لکھ کر اُسے دے دی۔

بعد میں لیوس کیرول کے بعض دوستوں نے انھیں یہ کہانی چھپوانے کا مشورہ دیا۔ دوستوں کے بہت اصرار پر بالآخر یہ کہانی کتابی صورت میں شائع ہوئی۔ کہانی چھپتے ہی اتنی مقبول ہوئی کہ برطانیہ کے گھر گھر میں اس کے چرچے ہونے لگے۔ یہاں تک کہ کہانی کا تذکرہ ملکۂ وکٹوریہ تک جا پہنچا۔ ملکہ نے کہانی پڑھی تو انھیں بھی یہ کہانی بہت پسند آئی اور انھوں نے کہانی کے مُصنّف کو "ونڈسر کیسل" میں کھانے پر بلایا۔

آپ کو ایک اور دلچسپ بات بتائیں؟ آج ساری دنیا جنھیں ملکہ ایلزبتھ کے نام سے جانتی ہے وہ جب بہت چھوٹی تھیں تو انھیں بھی عام بچّوں کی طرح پریوں کی کہانیاں سُننے کا بڑا شوق تھا۔ جس وقت یہ کہانی شائع ہوئی تھی ملکہ ایلزبتھ کی عمر چھ سال تھی اور انھوں نے اس کہانی کے مرکزی کردار ایلس سے، جو اُس وقت ایک عمر رسیدہ خاتون تھیں "ایلس اِن ونڈر لینڈ" پر آٹوگراف لیے تھے۔

ایلس اِن ونڈر لینڈ" کے علاوہ کیرول صاحب نے بچّوں کے لیے ایک اور مشہور کتاب "تھرو دی لوکنگ گلاس" بھی لکھی تھی، لیکن اِن کتابوں کے بعد کیرول بچّوں کے لیے کوئی اور کتاب نہ لکھ سکے۔ کیونکہ ان کی پیاری دوست ایلس اِن سے بہت جلد بچھڑ گئی تھی۔

ہُوا یہ تھا کہ لیوس کیرول کی صحبت میں رہتے رہتے ایلس بہت شرارتی ہوگئی تھی۔ وہ ہر وقت دھما چوکڑی مچاتی رہتی۔ گھر کے کام کاج اور پڑھائی سے اُسے دلچسپی نہیں رہی تھی۔ چنانچہ ایک دن ایلس کی والدہ نے لیوس کیرول کو گھر بلا کر اُن سے کہا کہ وہ آئندہ ایلس سے نہ ملیں۔ اُس دن کے بعد سے لیوس کیرول بہت اُداس رہنے لگے تھے۔

اِس واقعے کے تقریباً بیس پچیس برس بعد دسمبر ۱۸۹۱ء میں ایلس آخری بار لیوس کیرول سے ملنے اُن کے گھر آئی معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ ایلس کی شادی ہوئے گیارہ سال ہو چکے ہیں اور اس وقت اُس کے تین بہت پیارے پیارے بیٹے بھی ہیں۔ اِس کے بعد ایلس پھر کبھی لیوس کیرول سے نہیں ملی۔ ۱۹۳۴ء میں ایلس کا انتقال ہوگیا۔

لیوس کیرول نے اپنی زندگی میں دوستوں کو ہزاروں خط لکھے۔ وہ اپنے تمام دوستوں کو خط میں یہ ضرور لکھتے "راہ چلتے تمھیں اگر کوئی بچّہ ملے تو اُسے میری طرف سے پیار ضرور کرنا" لوگوں کا خیال ہے، کہ اگر لیوس کیرول کی ایلس سے دوستی ختم نہ ہوتی تو بچّوں کو "ایلس اِن ونڈر لینڈ" جیسی کئی اور عظیم کہانیاں پڑھنے کو ملتیں ۔۔۔ بہرحال لیوس کیرول نے بچّوں کے لیے جو کچھ لکھا اُسی کی بنیاد پر وہ ساری دُنیا کے بچّوں میں ہمیشہ مقبول رہیں گے۔

# خبردار

## تمباکو نوشی صحت کے لئے مُضر ہے

وزارتِ صحت۔ حکومت پاکستان

یہ اشتہار صرف سگریٹ پینے والوں کے لئے ہی نہیں ہے بلکہ سگریٹ نہ پینے والوں کے لئے بھی پیشگی ہدایت ہے کہ وہ اس خطرے سے دُور رہیں جس کا انجام بیماری اور بربادی کے سوا کچھ بھی نہیں۔ یاد رکھیئے سگریٹ کا دھواں بھی سگریٹ نوشی کی طرح مضر ہے۔

## اپنی صحت کا خیال رکھیئے

سگریٹ نوشی سے خود بچیئے۔ دوسروں کو بچایئے!

ماہنامہ آنکھ مچولی سگریٹ کے اشتہار شائع نہیں کرتا۔ مشتہرین زحمت نہ کریں (ادارہ)

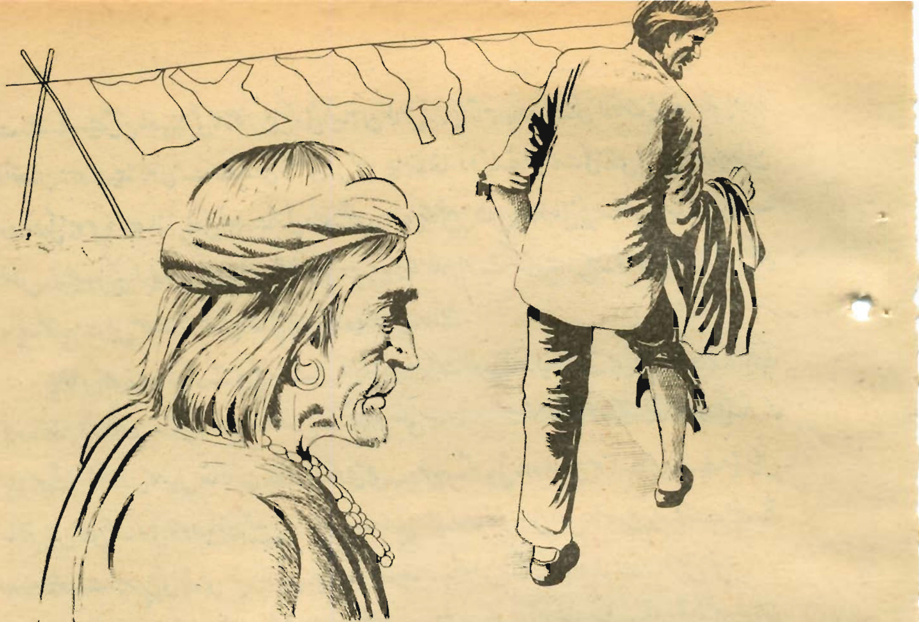

# سیٹھ دولت خان کی بیماری

نگہت آرا چوہان

سیٹھ دولت خان ان دنوں سخت پریشان تھے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کریں؟ ان کے دوست عزیز بلکہ خود گھر والے بھی اس نامراد بیماری سے تنگ آچکے تھے۔ سیٹھ دولت خان کی بے شمار دولت سے بھی اس بیماری کا علاج نہیں ہوسکا تھا۔ بہترین ڈاکٹر، حکیم بلکہ پیر فقیر سبھی آزمائے جا چکے تھے۔ ان کی اس بیماری کو بہت شہرت مل چکی تھی۔ سیٹھ دولت خان شہرت کے ہمیشہ سے بھوکے رہے تھے۔ کسی کو دو پیسے بھی خیرات کرتے تو شہر بھر میں اپنی "نیکی" کا ڈھنڈورا پیٹ دیتے۔ لیکن اب جو شہرت انھیں ملی تھی اُس نے انھیں بدنام کرکے رکھ دیا تھا۔

پیارے بچّو! آپ بھی حیران ہو رہے ہوں گے کہ آخر انھیں ایسی کون سی عجیب و غریب "بیماری" لاحق تھی؟ تو قصّہ دراصل یہ ہے کہ "سیٹھ دولت خان" سدا سے ایسے نہیں تھے۔ ہوش سنبھالتے ہی انھوں نے گھر میں دولت کی ریل پیل دیکھی، پڑھنے لکھنے کی طرف انھوں نے کبھی دھیان نہیں دیا۔ بچپن سے "دولت کمانا" سکھایا گیا تھا چنانچہ جوان ہوتے ہی انھوں نے کاروبار کو دیکھتے ہی دیکھتے آسمان پر پہنچا دیا۔

اب ان کے جہاز ساری دنیا میں مال پہنچاتے تھے۔ درجنوں کوٹھیاں بیرون ملک تھیں سینکڑوں کارخانے اور فیکٹریاں چوبیس گھنٹے ان کی دولت میں اضافہ کرتے رہتے تھے۔ اب وہ اتنے مصروف ہو چکے تھے کہ اپنی "دادی جان"

سے ملنے کے لیے تین ماہ پہلے کی تاریخوں میں کوئی ایسا دِن تلاش کرنا پڑتا جب دو گھنٹے کی ملاقات میں دو لاکھ یا دو ہزار کا نقصان نہ ہو۔ دیسے "دادی" سے ملنے کو ان کا قطعی دِل نہیں چاہتا تھا۔ وہ پُرانے خیالات کی "بڑی بی" تھیں اور ہمیشہ ان کو دولت کی "ہوس" سے باز آنے کی نصیحت کرتی رہتی تھیں۔ اب پتہ نہیں دادی کی نافرمانی کی سزا تھی یا کیا کہ اچانک انھوں نے محسوس کیا کہ جو لباس وہ پہنتے ہیں، تھوڑی دیر میں میلا معلوم ہونے لگتا ہے۔ پہلے تو وہ اُسے وہم سمجھے لیکن دو ایک تقریبات میں سخت شرمندگی اٹھانی پڑی تو وہ بدحواس ہو گئے۔

جو لباس بھی زیب تن کرتے پانچ منٹ میں انتہائی میلا چیکٹ ہو جاتا اور ایک گھنٹے میں اتنی سخت بُو کے بھبکے چھوٹتے کہ لوگ ناک پر رومال رکھ لیتے۔ انھوں نے قیمتی غیر ملکی ملبوسات کے انبار اکٹھے کر رکھے تھے جو ایک ایک کر کے تباہ ہو گئے۔ ڈاکٹروں کا خیال تھا کہ اُن کے جسم سے کوئی عجیب و غریب کیمیائی مادہ خارج ہوتا ہے جس کے لیے میڈیکل سائنس میں ابھی تک کوئی نام دریافت نہیں ہو سکا۔ اب ساری دنیا کے سائنس دان اس موضوع پر سر جوڑے بیٹھے تھے اور زور شور سے ریسرچ کی جا رہی تھی لیکن بے چارے سیٹھ صاحب کو ان سائنسی مباحث سے کیا غرض تھی۔

دیسی حکیموں نے مشورہ دیا کہ وہ مقامی لباس پہنا کریں۔ چنانچہ اب تک وہ کئی ہزار جوڑے شلوار قمیض اور شیروانیاں پاجامے برباد کر چکے تھے۔ کسی اور نے کہا کہ صرف دھوبی ہی صفائی کرنا جانتے ہیں۔ اس لیے اپنے لباس فلاں فلاں مشہور دھوبیوں سے دھلوائیں، لیکن ہوتا یہ کہ دھوبی بے چارے جس میلے کچیلے جوڑے کو چمکا کر لاتے سیٹھ صاحب پانچ منٹ میں ایسا غلیظ کر دیتے کہ تیسری بار دُھلائی پر کپڑوں کے چیتھڑے اُڑ جاتے۔

کچھ دن بعد فیصلہ کیا گیا کہ سیٹھ صاحب کے کپڑوں کے لیے نئی قسم کا "صابن" ایجاد کرنا چاہیئے۔ بے چارے سیٹھ دولت خان نے ہر اُس کمپنی کے لیے ایک کروڑ روپے کے انعام کا اعلان کیا جو ان کے لیے ایسا صابن بنا کر دے سکتی کہ کم از کم چوبیس گھنٹے ہی ان کا لباس صاف رہے۔ اب کیا تھا۔ دو ماہ میں ایک سے ایک نئے برانڈ کے صابن مارکیٹ میں آ گئے مگر "سیٹھ دولت خان" کے کپڑے میلے ہی رہے۔ سیٹھ صاحب کی نیند اور بھوک اور پیاس سب اُڑ گئی۔ وہ عجوبہ بن کر رہ گئے تھے اب تو بیوی بچے تک ان کے کپڑوں کی بدبُو سے گھبرا کر پاس نہ پھٹکتے۔ بے چارے مشہور اور دولتمند آدمیوں کے ساتھ ایک خرابی یہ ہے کہ ان کی "بیماریاں" سب کو پتہ چل جاتی ہیں۔

بہت ہی عاجز آ کر سیٹھ صاحب نے فیصلہ کیا کہ وہ بھیس بدل کر چپکے سے رات کو گھر سے نکل جائیں گے اور خود ہی اس بیماری سے پیچھا چھڑانے کی کوئی ترکیب سوچیں گے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ اخباری نمائندوں کی فوج کیمرے لیے اُن کے پیچھے پیچھے دوڑتی پھرے اور سب کو پتہ چل جائے کہ سیٹھ دولت خان کہاں گئے ہیں۔ چنانچہ آدھی رات کو وہ خاموشی سے نکل گئے اور کسی ٹرک والے سے لفٹ لی۔ صبح کا اُجالا پھیلتے پھیلتے وہ اپنے شہر سے میلوں دور جا پہنچے۔ شہروں میں تو

سب انھیں جانتے تھے لیکن یہاں چھوٹے چھوٹے دیہات تھے۔ گاؤں والے انھیں کوئی غریب مزدور سمجھ کر نظر انداز کردیتے۔ اسی طرح انھیں گھومتے پھرتے کئی ماہ گزر گئے۔ شرم کے مارے وہ رات کو کسی تندور سے ایک دو روٹی لے کر کھا لیتے اور لوگوں سے بچ بچ کر گزرتے۔ ایک روز وہ ملک کے انتہائی دور دراز علاقے کے ایک چھوٹے سے گاؤں سے گزر رہے تھے کہ دریا کے کنارے دھوبی گھاٹ نظر آیا۔ ایک بوڑھا سا دھوبی پتھروں پر کپڑے پٹخ پٹخ کر دھو رہا تھا۔ سیٹھ دولت خان بڑی حسرت سے دُھلے ہوئے کپڑوں کو دیکھنے لگے۔ کاش کوئی دھوبی ان کے دُکھ کا علاج بھی کر دیتا۔ اب تو صاف ستھرے کپڑے پہنے مدّتیں گزر گئی تھیں۔

دھوبی تھوڑی دیر کے لیے سستانے بیٹھا تو اُن پر نظر پڑ گئی۔

"کیا بات ہے مسافر؟ غمزدہ کیوں ہو؟" بڈھے نے بڑی ہمدردی سے پوچھا۔ سیٹھ صاحب کا دِل بھر آیا اور وہ پھُوٹ پھُوٹ کر رونے لگے۔ بوڑھے دھوبی نے بڑی مشکل سے انھیں چُپ کرایا اور پاس بٹھا کر رونے کی وجہ پوچھی سیٹھ صاحب نے ساری رام کہانی کہہ سُنائی۔

"تم واقعی قابلِ رحم ہو۔" بڈھا کھانستا ہُوا بولا "میرے بزرگ کہتے ہیں کہ کسی زمانے میں ہماری بستی کے راجہ کو بھی یہی بیماری ہوگئی تھی۔"

"تو پھر کیا اس کا علاج ہوگیا تھا؟" سیٹھ صاحب نے بڑی اُمیّد سے پوچھا۔

"ہاں علاج تو ہوگیا تھا لیکن۔۔۔" دھوبی بولتے بولتے رُک گیا۔

"ہاں ہاں کہو، تم رُک کیوں گئے؟" سیٹھ نے بے چینی سے پوچھا۔ دھوبی نے کچھ کہنے کے بجائے کپڑوں کا ایک ڈھیر اُٹھایا اور سیٹھ کے حوالے کرتے ہوئے کہا "میں بوڑھا آدمی ہوں۔ ذرا یہ کپڑے دھو ڈالو پھر تمھارا علاج بتاتا ہوں" سیٹھ صاحب تو اپنی بیماری کا علاج چاہتے تھے۔ انھوں نے بُرا مانے بغیر کپڑے اٹھائے اور دریا کے کنارے لے گئے۔ دھوبی اپنا حقّہ لے کر درخت کے سائے میں جا بیٹھا۔ سیٹھ دولت خان ساری دوپہر بڑی محنت سے کپڑے دھوتے اور پتھروں پر پھیلاتے رہے۔ کام ختم کرچکے تو دھوبی نے حکم دیا کہ سوکھے ہوئے کپڑے تہہ کر کے ایک طرف رکھتے جائیں۔ وہ بیچارے بہت تھک چکے تھے لیکن "علاج" کی اُمیّد تھکن پر غالب آگئی۔ سارے کپڑے ایک طرف رکھوانے کے بعد بوڑھے نے ایک نہایت پُرانی پھٹی ہوئی قمیض اور سب سے سستی سی دھوتی کپڑوں میں سے نکالی اور بولا "لے بابا۔ اپنے میلے کپڑے اُتار اور نہا کر یہ صاف ستھرا لباس پہن لے پھر تیرا علاج بتاؤں گا۔" اتنے معمولی کپڑے کبھی سیٹھ صاحب کے نوکروں نے بھی نہیں پہنے تھے مگر اس وقت وہ سب کچھ کرنے کو تیار تھے۔ نہا دھو کر واپس آئے تو دھوبی بولا "مجھے بھوک لگ رہی ہے، یہاں سے ایک دو میل پر گاؤں کا بازار ہے، وہاں سے جا کے روٹی لے آؤ۔"

سیٹھ دولت خان تھک گئے تھے لیکن ناچار جانا پڑا ۔ بازار بہت دُور تھا ۔ چلتے چلتے بازار سے واپسی پر اچانک انھیں خیال آیا کہ اُن کے کپڑے جو فوراً میلے ہو جاتے تھے، اب تک صاف ہیں۔ اب تو اُن کی خوشی کی انتہا نہ رہی ۔

وہ بوڑھے دھوبی سے لپٹ گئے ۔

"بابا آپ بہت بڑے بزرگ ہیں ۔ مجھے بتائیں کہ میرے کپڑے میلے کیوں نہیں ہوئے ؟" دھوبی یہ سُن کر بہت ہنسا۔ کہنے لگا "یہ جو قمیض میں نے تمھیں دی ہے، ہمارے گاؤں کے سب سے غریب آدمی کی ہے ۔ میں اس سے کپڑے دھونے کا معاوضہ نہیں لیتا۔ آج تم نے اپنے ہاتھ سے گاؤں کے غریبوں کے کپڑے دھوئے ہیں اس لیے تمھارے کپڑے بھی صاف ہیں۔"

"میں سمجھا نہیں بابا" ؟ سیٹھ دولت خان حیرت سے بولے ۔

"اے سیٹھ ! تم نے سُنا ہوگا کہ پیسہ ہاتھ کا میل ہے اور جس کے پاس یہ میل زیادہ ہو جائے تو اُسے صاف کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ اس سے غریبوں کی مدد کی جائے ۔ اس طرح یہ نیکی انسان کو میلا ہونے نہیں دیتی ۔ مگر تم صرف دولت اکٹھی کرتے رہے ۔ کبھی یہ خیال نہ کیا کہ جو پیسہ تمھاری ضرورت سے زیادہ ہے وہ دوسروں کا حق ہے ۔ جو جتنی زیادہ دولت جمع کرے گا اور اُسے صاف نہیں رکھے گا وہ کسی نہ کسی بیماری میں مبتلا ہوگا۔" یہ سُن کے سیٹھ دولت خان نے سر جھکا لیا ۔ بوڑھا دھوبی سچ ہی تو کہہ رہا تھا ۔

## آنکھ مچولی کے آئندہ شمارے میں

بین الاقوامی شہرت یافتہ تخلیق کار ستیہ جیت رے کے ناول **پاٹھک چند** "کا ترجمہ "تلاش" کے عنوان سے سلسلہ وار پیش کیا جا رہا ہے ۔

یہ کہانی ایک ایسے بچے کی ہے جو اپنے گھر والوں سے بچھڑ گیا ہے اور اپنی یادداشت کھو بیٹھا ہے ۔ رے کے سحر انگیز قلم نے اس ناول کو بچوں کے ادب میں ہمیشہ یاد رکھا جانے والا فن پارہ بنا دیا ہے ۔

نوجوان ادیب **آصف فرخی** نے اپنی رواں دواں، چمکتی دمکتی خوبصورت نثر کے ساتھ اس ناول کو پہلی بار اردو کے قالب میں ڈھالا ہے ۔ رے کا یہ ناول آنکھ مچولی کے ساتھیوں کو بین الاقوامی فن پاروں سے متعارف کرانے کے مستقل سلسلے کی جانب پہلا قدم ہے !

فراز سلیم

# ابتدائی طبّی امداد! کیا، کیوں، کیسے

"اور وہ شخص ابتدائی طبّی امداد ملنے سے پہلے ہی ہلاک ہوگیا!"

آپ میں سے اکثر نے یہ، یا اس سے ملتا جلتا جملہ اخبار کی کسی نہ کسی خبر میں ضرور پڑھا ہوگا اور اگر آپ چیزوں کے بارے میں جاننے کی خواہش رکھتے ہیں تو آپ نے کسی نہ کسی سے یہ بھی ضرور پوچھا ہوگا کہ یہ ابتدائی طبّی امداد یعنی فرسٹ ایڈ کیا بلا ہے؛ کہ جس سے آدمی کی جان بچ سکتی ہے لیکن اگر آپ نے کبھی ابتدائی طبّی امداد کے متعلق نہ کچھ سنا ہے اور نہ کبھی کسی سے اس کے بارے میں کچھ پوچھا ہے تو ہم آپ کو اس کے بارے میں کچھ بنیادی باتیں بتائے دیتے ہیں۔

ابتدائی طبّی امداد سے مراد دراصل وہ مدد ہے جو کسی حادثے کے باعث زخمی ہو جانے والے شخص کو کسی ڈاکٹر وغیرہ کے پاس لے جانے سے پہلے حادثے کی جگہ پر ہی فراہم کی جاتی ہے۔ ابتدائی طبّی امداد کے تین بنیادی مقاصد بیان کیے جاتے ہیں۔

۱۔ انسانی زندگی کو بچانا

۲۔ انسانی جسم پر لگ جانے والے کسی بھی نوعیت کے زخموں کو مزید خراب ہونے سے بچانا۔

۳۔ زخمی شخص کی حالت کو بہتر بنانے کے لیے اقدامات کرنا۔

کسی کی جان بچانے سے زیادہ نیکی کا کام بھلا اور کیا ہو سکتا ہے؟ لیکن کسی کی جان بچاتے بچاتے خود اپنی جان گنوا دینا اور وہ بھی کم معلومات کے باعث دانش مندی کی بات نہیں ہے چنانچہ طبّی امداد دینے والے افراد کو چند ایسی باتوں کا ضرور علم ہونا چاہیئے۔ جن کے باعث حادثے کا شکار اور طبّی امداد مہیّا کرنے والے دونوں کی زندگیاں محفوظ رہیں۔ مثلاً اگر کوئی حادثہ رونما ہو جائے اور اس میں کوئی شخص زخمی ہو جائے تو ابتدائی طبّی امداد مہیا کرنے والے فرد کو سب سے پہلے اُس شخص کو کسی محفوظ مقام پر پہنچا دینا چاہیئے۔ اور اگر ایسا ممکن نہ ہو تو کم از کم حادثے کے باعث پیدا ہو جانے والے خطرے کو کم کرنے کی کوشش کرنا چاہیئے۔ تاکہ ابتدائی طبّی امداد مہیا کرنے والے شخص کی زندگی بھی محفوظ رہے۔

ابتدائی طبّی امداد عموماً جن امور پر مشتمل ہوتی ہے اُن میں انسانی جسم کو ہوا مہیّا کرنے والے راستے کی صفائی، حرکتِ قلب اور نظامِ تنفّس کی دیکھ بھال وغیرہ شامل ہیں۔ اگر حادثے کا شکار فرد بے ہوش ہو تو اُس کا نظامِ تنفس از سرِ نو بحال کرنے کے بعد اُسے اِس طرح اُلٹا لٹا دیجئے کہ اُس کے جسم کے تمام اعضا آرام کی حالت میں رہیں اور اُسے سانس لینے میں کوئی مشکل نہ ہو۔

اب آیئے ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ چند حادثات کے رونما ہونے کی صورت میں آپ بحیثیت ایک ابتدائی طبّی امداد دینے والے فرد کے کیا کر سکتے ہیں۔

## ۱۔ دَم گھٹنا

دَم گھٹنے کی کیفیت اُس صورت میں رونما ہوتی ہے۔ جب انسانی جسم کو ہوا مہیّا کرنے والے راستے مکمل طور پر بند ہو جائیں، یا ان میں کوئی رکاوٹ پیدا ہو جائے جیسے ناک منہ وغیرہ۔ عام طور پر چھوٹی عمر کے بچّے نرم تکیے پر اُلٹا منھ رکھ کر سونے کے باعث دَم گھٹنے کی کیفیت کا شکار ہو جاتے ہیں۔

اگر خدانخواستہ آپ کو کسی ایسی صورتِ حال کا سامنا کرنا پڑے تو آپ سب سے پہلے یہ دیکھیں کہ دَم گھٹنے کی کیفیت

کا شکار ہونے والے فرد کے نظامِ تنفس میں کوئی چیز رکاوٹ تو نہیں ڈال رہی۔ جیسے کھیل کود میں اکثر بچوں کی ناک میں چھوٹے کنکر وغیرہ گھس جاتے ہیں یا حلق میں کوئی چیز پھنس جاتی ہے اگر ایسا ہو تو آپ فوراً اُس رکاوٹ کو دور کرنے کی کوشش کریں۔ تاہم اگر کسی نامعلوم وجہ کے باعث اُس فرد کو سانس لینے میں دقت ہو رہی ہو تو اُن کے نظامِ تنفس کو درست کرنے کا ایک طریقہ یہ ہو سکتا ہے کہ آپ اُس شخص کے منہ پر اپنا منہ رکھ کر اُسے سانس فراہم کرنے کی کوشش کریں۔ ایسا کرنے سے اگر اُس شخص کا نظامِ تنفس کسی حد تک نارمل ہو جائے تو اُسے اُلٹے منہ اس طرح لٹا دیجئے کہ اُس کے جسم کے تمام اعضاً خاص طور پر سر ہاتھ اور پیر آرام کی حالت میں رہیں ایسا کرنے کے بعد جلد از جلد ڈاکٹر سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کریں۔

## آگ میں جل جانا

اگر کوئی شخص آگ لگنے سے جل جائے اور دھویں کی شدت یا اور کسی باعث ... بے ہوش ہو جائے تو سب سے پہلے ایسے شخص کو کسی محفوظ مقام پر لے جائیے اور اُس کے جلے ہوئے کپڑوں کو فوراً اس کے جسم پر سے اُتار دیجئے۔ تاہم یہ کام کرتے ہوئے خیال رکھیے کہ آپ کے کپڑے یا جسم آگ سے محفوظ رہیں۔ اگر حادثے کا شکار ہونے والا فرد بے ہوش ہو جائے تو اُسے اوندھے منہ اس طرح لٹا دیجئے کہ اُس کے جسم کے تمام اعضاً آرام کی حالت میں رہیں۔ اور اُسے سانس لینے میں کوئی دقت نہ ہو۔ اگر حادثے کے شکار فرد کی سانس یا حرکتِ قلب رُک گئی ہو تو اُسے اپنے منہ کے ذریعے سانس فراہم کرنے کی کوشش کریں اور اُس کے سینے پر ہاتھ سے مالش کریں۔ نیز اُس فرد کے جلے ہوئے حصّوں کو گرد اور مکھیوں وغیرہ سے محفوظ رکھیں اور ان پر برنال یا اسی نوعیت کا اگر کوئی دوسرا مرہم دستیاب ہو تو لگا دیجیے اور جلد از جلد ڈاکٹر سے رابطہ قائم کیجئے

## پانی میں ڈوبنا

اکثر لوگوں کو سمندر یا نہر وغیرہ میں نہانے کا بڑا شوق ہوتا ہے اور نہانے سے زیادہ تیرنے کا، یقیناً آپ میں سے اکثر کو یہ دونوں شوق ہوں گے۔ ہمیں آپ کے اس شوق پر کوئی اعتراض نہیں ہے، لیکن دیکھنے میں آیا ہے کہ اکثر ساتھی سمندر یا نہر پر پہنچ کر دوستوں پر اپنی بہادری ثابت کرنے کے لیے گہرے پانی میں چلے جاتے ہیں۔ اور حادثے کا شکار ہو جاتے ہیں۔ خدا ہر ایک کو ایسے حادثے سے بچائے۔

عام طور پر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ کسی ایسے حادثے کی صورت میں لوگ اپنے حواس کھو بیٹھتے ہیں اور حادثے کا شکار ہونے والے کی جان بچانے کی کوشش کرنے کی بجائے چیخ و پکار اور ادھر اُدھر بھاگنے دوڑنے میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ خدانخواستہ اگر آپ کو اس نوعیت کے کسی حادثے سے واسطہ پڑے تو آپ اپنے حواس کھونے کی بجائے مندرجہ ذیل ابتدائی

طبی امداد مہیا کرکے اُس فرد یا افراد کی جان بچانے کی کوشش کریں۔

ڈوبنے والے فرد کے منہ میں اگر پانی یا اور کوئی چیز ہو تو اُسے جلد از جلد نکالیے اگر ڈوبنے والے فرد کے پیٹ میں پانی بھر گیا ہو تو اُسے اُلٹا لِٹا کر اُس کی کمر پر زور ڈال کر اُس کے پیٹ سے زائد پانی نکالنے کی کوشش کریں اور اُس کے منہ پر اپنا منہ رکھ کر اُسے سانس فراہم کرنے کی کوشش کریں۔

لیکن اگر ڈوبنے والا ابھی پانی ہی میں ہے اور پانی اتنا ہے کہ آپ اُس میں آسانی سے کھڑے ہو سکتے ہیں تو وقت ضائع کیے بغیر ڈوبنے والے کو پانی سے باہر نکالنے کی کوشش کرنے کی بجائے پانی میں کھڑے ہو کر اُسے سانس فراہم کرنے کی کوشش کریں۔ تاہم اگر پانی گہرا ہے تو آپ ڈوبنے والے کو کنارے کی طرف لاتے ہوئے وقفہ وقفہ سے سانس فراہم کرنے کی کوشش کرتے رہیں اور اُس کی حرکتِ قلب اور تنفّس کی کیفیت کو مسلسل چیک کرتے رہیں۔

اگر ڈوبنے والے فرد کا نظامِ تنفّس درست طریقے سے کام کرنے لگے لیکن وہ پھر بھی بے ہوش رہے تو اُسے اُلٹا کرکے اس طرح لِٹا دیجیے کہ اُس کے جسم کے تمام اعضا آرام کی حالت میں رہیں اور اُسے سانس لینے میں کوئی دقت نہ ہو۔ ایسے فرد کے جسم کو کمبل یا کسی ایسی ہی دوسری چیز کے ذریعے گرم رکھنے کی کوشش کریں۔

## گیس سے بھرا ہوا کمرہ

ایسے شہروں میں جہاں پر سوئی گیس موجود ہے، عام طور پر گیس کے اخراج کے باعث کئی طرح کے حادثے رونما ہوتے رہتے ہیں۔ کبھی کہیں آگ لگ جاتی ہے اور کبھی کہیں رات کو سوتے ہوئے افراد کمرے میں گیس بھر جانے کے باعث ہلاک ہو جاتے ہیں۔

ایسے کسی حادثے کی صورت میں اگر آپ کو لوگوں کی مدد کا موقع ملے تو آپ ایک حفاظتی تدبیر اختیار کرنے کے بعد باقی کارروائی کریں اور وہ یہ کہ اپنی کمر یا ہاتھ وغیرہ پر رسّی باندھ لیں تاکہ اگر آپ خود گیس سے متاثر ہو جائیں تو باہر کھڑے ہوئے آپ کے مددگار لوگ آپ کو باہر نکال سکیں۔ تاہم اگر ایسا ممکن نہ ہو تو پھر آپ کمرے میں داخل ہو کر اپنی سانس زیادہ سے زیادہ دیر تک روکنے کی کوشش کریں۔ کمرے میں داخل ہو کر سب سے پہلے اُس کی کھڑکیاں وغیرہ کھولنے کی کوشش کریں تاہم اگر کھڑکیاں وغیرہ کھولنے میں دیر لگنے کا اندیشہ ہو تو کھڑکیوں کے شیشوں کو توڑ دیں اور اگر ممکن ہو تو گیس کی لائن کو بند کرنے کی کوشش کریں۔ گیس سے متاثر ہونے والے افراد کو فوراً کمرے سے باہر نکالنے کی کوشش کریں اور اگر اُن کی سانس رُک گئی ہو یا رُک رُک کر آ رہی ہو تو ان کے منہ پر اپنا منہ رکھ کر انھیں سانس فراہم کرنے کی کوشش کریں اور اور جلد از جلد ڈاکٹر سے رابطہ قائم کریں۔

# قائد اعظم

(نظم)

عارف انجم صدّیقی

چمن چمن سے پھول چُن کر
ایک نیا گلشن مہکایا
قائدِ اعظمؒ تونے ہم کو
جینے کا انداز سکھایا
انگریزوں اور برہمنوں سے
لے کر پاکستان دکھایا
قوم کی خاطر مَر مٹنے کا
سینوں میں احساس جگایا
پاک وطن کا ذرّہ ذرّہ
کھیت اور دریا دھوپ اور سایا
کہتے ہیں یہ مل کر سارے
تونے پاکستان بنایا
ایک رہے ہیں ایک رہیں گے
دشمن کا کر دیں گے صفایا
ڈرنا انجم صرف خُدا سے
قائدِاعظمؒ نے فرمایا

## وطن کے ننھے سفیروں کے نام

# ایک پیغام

پڑھنے لکھنے سے ہو کام ٹھیک نہیں ہے اب آرام

محنت ہو بس صبح و شام چمکاؤ دنیا میں نام

جدید ترین مشینوں پر خوبصورت اور مضبوط شاپنگ بیگ

اور ہمہ اقسام کے پرنٹڈ پلاسٹک بیگ بنانے والے

**جیلانی انڈسٹریل کارپوریشن پرائیویٹ لمیٹڈ**

ایف 312 ایس آئی ٹی ای۔ کراچی

فون: 295679 - 295689 ٹیلیکس: 25115 کراؤن پی کے

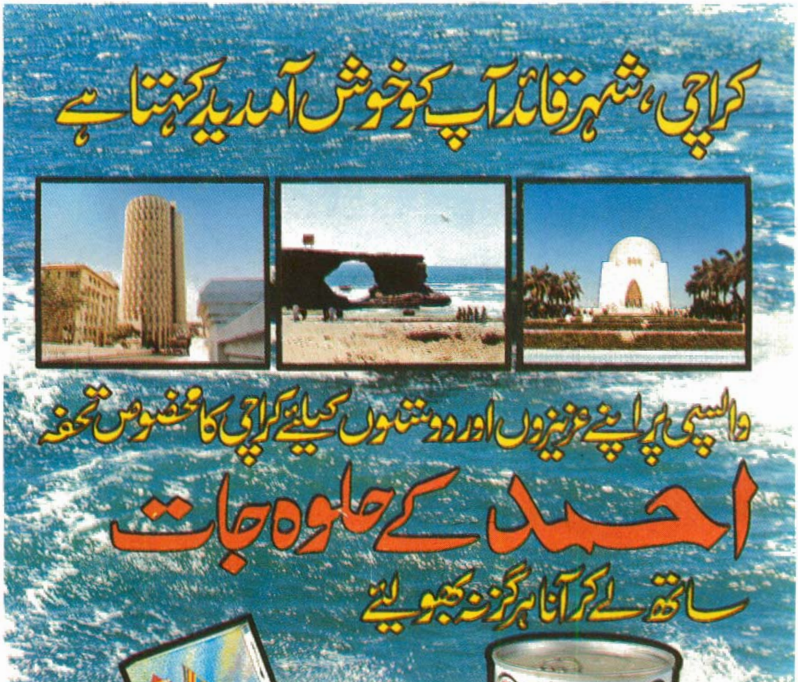

کراچی، شہر قائد آپ کو خوش آمدید کہتا ہے
واپسی پر اپنے عزیزوں اور دوستوں کیلئے کراچی کا مخصوص تحفہ
احمد کے حلوہ جات
ساتھ لے کر آنا ہرگز نہ بھولیئے
فریش ویل
حبشی حلوہ
حلوہ
جوزی
سوہن
ڈیلائیٹ
فریش ویل
سوہن حلوہ
Freshwel
MANGONICA
MASS

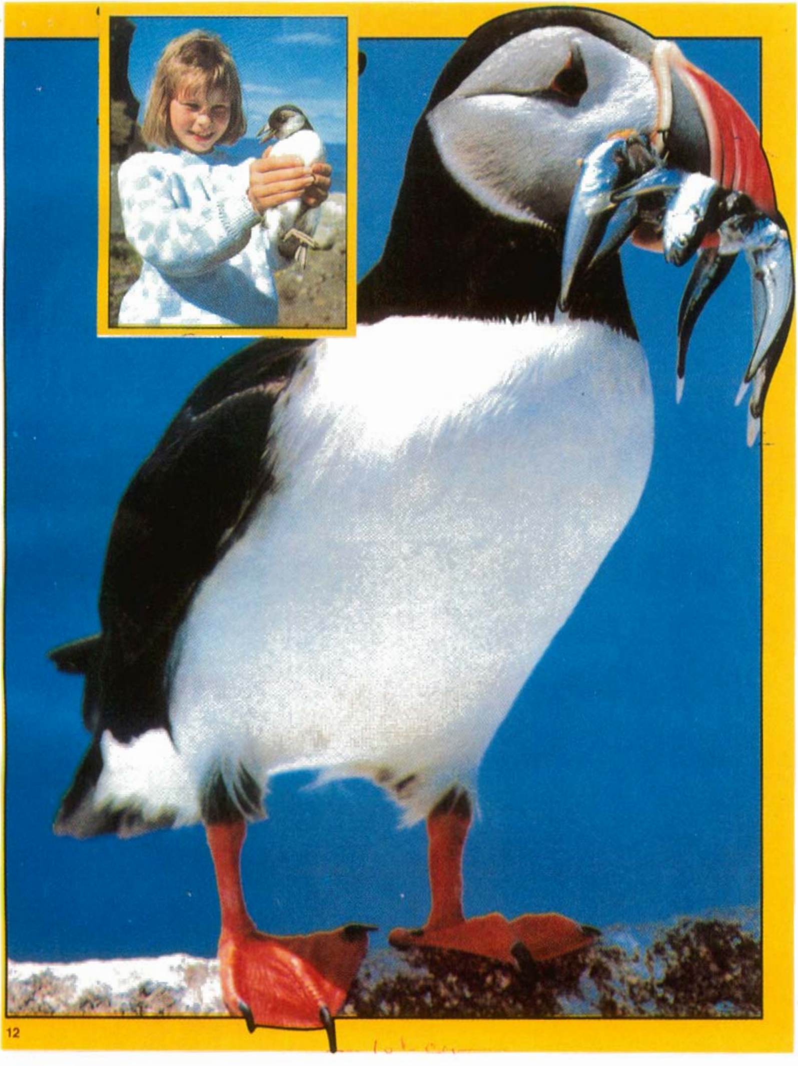

# پفِن کے محافظ

ہیں لوگ وہی جہاں میں اچھے
آتے ہیں جو کام دوسروں کے

آپ نے شاعرِ مشرق علامہ اقبالؒ کی نظم "جگنو" ضرور پڑھی ہوگی۔ جس میں ننھا جگنو ایک بُلبل کو گھٹا ٹوپ اندھیرے میں اپنی روشنی کے ذریعے راستہ دکھاتا ہے اور اُسے اس کے آشیانے تک پہنچا دیتا ہے۔ معلوم نہیں آپ میں سے کتنے لوگ اس نظم کو پڑھنے کے بعد دوسروں کے کام آئے ہوں گے لیکن ایسا لگتا ہے کہ آئس لینڈ کے شمالی ساحل پر واقع جزیرہ ہیے کے بچوں نے ایسی ہی کسی نظم سے دوسروں کے کام آنا سیکھا ہے۔ تو کیوں نا ہم آپ کو اس جزیرے کے بچوں کی ایک ایسی شاندار اور قابلِ تقلید سرگرمی کے بارے میں بتائیں جس کی مثال ڈھونڈے سے بھی شاید ہی کہیں مل سکے۔

کئی نسلوں سے جزیرہ ہیے کی یہ روایت رہی ہے کہ اس جزیرے کے بچے ہر سال ماہ اگست کے تقریباً آخری پندرہ دن شام کے جھٹپٹے سے لے کر صبح کی روشنی پھیلنے تک جزیرے کی گلیوں میں گشت کرتے ہوئے گزارتے ہیں۔ اور مزے کی بات یہ کہ بچوں کے والدین ایسا کرنے سے انہیں نہ صرف یہ کہ منع نہیں کرتے بلکہ انہیں ایسا کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ ہے نا عجیب سی بات! لیکن جناب یہ بچے رات رات بھر گلیوں میں آوارہ گردی نہیں کرتے بلکہ ان کے سامنے ایک خوبصورت مقصد ہوتا ہے ——— پفِن نام کے پرندے کی حفاظت۔

اٹلانٹک پفن نام کا یہ پرندہ اس جزیرے پر بڑی کثرت سے پایا جاتا ہے یہ پرندہ جزیرے کے آس پاس واقع اونچی ڈھلوان پہاڑیوں میں سوراخ کر کے ان میں اپنا گھونسلہ بنا کر رہتا ہے، سیاہ و سفید رنگت اور لال چونچ کا یہ خوبصورت سا پرندہ سرد مقامات پر پایا جاتا ہے۔ اس پرندے کے بچے تقریباً سات ہفتے اپنے گھونسلوں میں گزارتے ہیں۔ لیکن اس کے بعد ان میں بیشتر جزیرے کے اطراف میں موجود شمالی بحرِ اوقیانوس کا رُخ کرتے ہیں۔ البتہ جزیرے سے سمندر کی جانب جاتے ہوئے پفن کے کچھ بچے جزیرے کی روشنیوں سے دھوکہ کھا کر سمندر کی بجائے شہر کی گلیوں میں اُتر جاتے ہیں۔ چونکہ ان کے پَر مکمل طور پر اُڑنے کے قابل نہیں ہوتے اس لئے یہ بچے شہر کی اونچی

اُونچی عمارت کی گلیوں سے سمندر کی جانب پرواز کرنے کے قابل نہیں رہتے۔ چنانچہ یہ پرندے گلیوں میں ادھر اُدھر بھٹکتے ہوئے کتّے، بلیّوں کا نوالہ بن جاتے ہیں۔

لیکن اب جزیرے کے بچے اِن پفنوں کی جان بچانے کے لئے گلیوں میں راتوں کو گشت کرتے ہیں۔ جزیرے کے بچے سرِشام لکڑی کے چھوٹے چھوٹے بکس اور ٹارچ لے کر گھروں سے نکل جاتے ہیں۔ ہر بچے کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ دوسرے بچوں سے زیادہ پفن پکڑے۔ ساری رات پفن کے بچوں کو پکڑنے کے بعد جوں ہی سورج کی روشنی پھیلنی شروع ہوتی ہے جزیرے کے بچے اُن پرندوں کو لے کر ساحل سمندر کا رُخ کرتے ہیں اور وہاں جاکر سب پفنوں کو آزاد کر دیتے ہیں اور یہ لمحہ ان سب کے لئے سب سے زیادہ خوشی کا ہوتا ہے۔

بچوں کے ہاتھوں سے چھوٹنے کے بعد پفن کے یہ بچے سمندر میں چلے جاتے ہیں اور ایک اندازے کے مطابق وہ سمندر میں دو سال تک قیام کرتے ہیں۔ دو سال کے بعد وہ جب اچھی طرح اُڑنے کے قابل ہو جاتے ہیں تو وہ پہاڑوں کی ڈھلانوں پر بنے ہوئے گھونسلوں میں جاکر رہنے لگتے ہیں۔

## پاگل پن کا علاج شطرنج

جب ہنگری کا مشہور سائنسدان کاؤنٹ استوان پاگل ہوگیا تو ڈاکٹروں نے اس کے لیے شطرنج کھیلنے کی "دوا" تجویز کی۔ چنانچہ اس کے لیے ایک نوجوان کرائے پر حاصل کیا گیا۔ وہ چھ سال تک سائنسدان کے ساتھ شطرنج کھیلتا رہا۔ ان چھ سالوں کے اختتام پر کاؤنٹ استوان تو واقعی ٹھیک ہوگیا، مگر وہ نوجوان اتنا پاگل ہوگیا کہ ڈاکٹروں نے اُسے لاعلاج قرار دے دیا۔!

## یہ اُونچی اُونچی عمارتیں

ایمپائر اسٹیٹ بلڈنگ۔ نیویارک میں واقع یہ عمارت ۴۴۸ میٹر بلند ہے۔ اس کی ۱۰۲ منزلیں ہیں۔ اگر آپ لفٹ کے بغیر جانا چاہیں تو آپ کو ایک ہزار آٹھ سو ساٹھ سیڑھیاں طے کرنا ہوں گی۔ اس عمارت میں ۶۳ لفٹیں لگی ہوئی ہیں۔ ایمپائر اسٹیٹ بلڈنگ میں ۹۰۰ فرموں کے دفاتر قائم ہیں جہاں پچیس ہزار افراد کام کرتے ہیں۔ صرف اس عمارت کی صفائی، رنگ و روغن مرمّت اور ساڑھے چھ ہزار کھڑکیوں کی صفائی کے لئے ایک ہزار آدمی کام کرتے ہیں۔

آداب زندگی

ظہیر احمد

# حکومت کے آداب

منظر۔ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز اپنے گھر میں ایک معمولی سے بچھونے پر بیٹھے ہیں۔ جو زمین سے تھوڑا سا بلند ہے۔ وہ کاغذات کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد اُن کا نوکر داخل ہوتا ہے۔

نوکر۔ "امیرالمومنین! آپ کے وزیر ملنا چاہتے ہیں"۔

عمر بن عبدالعزیز۔ "انہیں فوراً بھیجو۔" (نوکر نکلتا ہے اور وزیر اندر داخل ہوتا ہے)

وزیر:۔ "اے امیرالمومنین! السّلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔"

عمر بن عبدالعزیز:۔ "وعلیکم السّلام ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ تشریف رکھئے۔ آپ میرے بیٹے عبدالملک کو تو جانتے ہیں۔ جو مجھ سے بہت دور رہتا ہے۔"

وزیر:۔ "ہاں اے امیرالمومنین۔ میں اُسے جانتا ہوں۔"

عمر بن عبدالعزیز:۔ "بہت خوب میمون۔ میرا بیٹا عبدالملک مجھے بہت پیارا ہے۔ میں اس کے بارے میں بڑا محتاط رہنا چاہتا ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ محبت کی وجہ سے، اُس کے حالات سے بے خبر اور غافل رہوں۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں میں بھی دوسرے لوگوں کی طرح اپنی اولاد کے عیبوں سے چشم پوشی نہ کروں۔ آپ

اس کے پاس جائیے اور بڑے غور سے اس کے حالات کا جائزہ لیجیے۔ دیکھئے کہ کہیں اس میں تکبر اور غرور تو پیدا نہیں ہو گیا۔ وہ نوجوان ہے اور شیطان کے لئے ایک آسان شکار۔"

وزیر:" ٹھیک ہے میں ایسا ہی کروں گا۔"

عمر بن عبدالعزیز:" میری دُعا ہے کہ اللہ آپ کی مدد فرمائے۔"

## دوسرا منظر: عبدالملک بن عبدالعزیز کے گھر میں

(عبدالملک بیٹھا قرآن کریم کی تلاوت کر رہا ہے۔ اسی دوران دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز آتی ہے)

عبدالملک:" اے لڑکے! دیکھو کون ہے۔"

(نوکر جاتا ہے۔ دروازہ کھولتا ہے اور وزیر داخل ہوتا ہے۔)

وزیر:" السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔"

عبدالملک:" وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ خوش آمدید۔ میں نے اپنے والدِ محترم کو آپ کی تعریف کرتے سنا ہے۔ اللہ ہمیں آپ کی ذات سے نفع پہنچائے۔"

وزیر:" آپ سنائیے۔ آپ کیسے ہیں؟ اور اپنے آپ کو کیسا سمجھتے ہیں؟"

عبدالملک:" اللہ پاک کا بڑا فضل و کرم ہے۔ البتہ کبھی کبھی ڈرتا ہوں کہ کہیں والد صاحب کا میرے بارے میں نیک گمان مجھے دھوکے میں نہ ڈال دے۔ حقیقت یہ ہے کہ میں ابھی ان کے حسنِ ظن پر پورا اترنے کے قابل نہیں ہوا۔ ڈرتا ہوں کہ کہیں میں ان کے لئے پریشانی اور بدنامی کا سبب نہ بن جاؤں۔"

وزیر:" مجھے بتائیے کہ آپ کا ذریعہ روزگار کیا ہے؟"

عبدالملک:" میں نے ایک ایسے شخص سے زمین خریدی ہے جو اس کا جائز قانونی وارث ہے۔ یہ زمین اسے اپنے باپ سے ترکہ میں ملی ہے۔ میں نے اپنی حلال کی کمائی سے اس زمین کی قیمت ادا کی ہے۔ اللہ کی مہربانی ہے کہ میں مسلمانوں کے مال کا محتاج نہیں ہوں۔"

وزیر:" آپ کی روزانہ کی خوراک کیا ہے؟"

عبدالملک:" ایک رات گوشت، ایک رات مسور کی دال اور زیتون کا تیل، کبھی سرکہ۔"

وزیر:" کیا آپ اپنے آپ کو دوسروں سے بڑا تو نہیں سمجھتے؟"

عبدالملک:" جی ہاں۔ پہلے کچھ ایسا ہی تھا۔ مگر جب سے ابا جان نے مجھے سمجھایا ہے میں اپنی حقیقت

سے آگاہ ہو چکا ہوں۔ میں اپنے آپ کو عام سا انسان سمجھتا ہوں۔ والد صاحب کی نصیحت میرے حق میں بڑی کارگر ثابت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔"

(بات ختم ہوتی ہے کہ نوکر حاضر ہوتا ہے)

نوکر:۔ "اللہ امیر کا بھلا کرے۔ ہم نے خالی کروالیا ہے۔"

عبدالملک:۔ "اللہ تمہیں بہتر بدلہ دے۔" (نوکر مجلس سے نکل جاتا ہے)

وزیر:۔ "ان لوگوں نے کیا خالی کروالیا ہے"؟

عبدالملک:۔ "حمام"۔

وزیر:۔ "وہ کیسے"؟

عبدالملک:۔ "انہوں نے لوگوں کو حمام میں داخل ہونے سے روک دیا ہے اور اُسے میرے لئے خالی کروالیا ہے۔"

وزیر:۔ "میں نے تو آپ کے بارے میں بڑی اچھی رائے قائم کی تھی۔ مگر میں آپ سے یہ کیا سُن رہا ہوں"؟

عبدالملک:۔ (تھوڑا جھینپ کر) "چچا جان! آخر اس میں حرج کیا ہے۔"؟

وزیر:۔ "حمام تمہارا ہے؟"

عبدالملک:۔ "نہیں"۔

وزیر:۔ "پھر تم لوگوں کو وہاں سے کیوں نکال دیتے ہو؟ کیا تم اپنے آپ کو اُن سے بڑا سمجھتے ہو؟ تم کس لحاظ سے ان سے اعلیٰ ہو؟ پھر تم حمام والے کا بھی تو نقصان کرتے ہو"۔

عبدالملک:۔ "نہیں حمام والوں کو پورے دن کے پیسے دے کر خوش کر دیتا ہوں"۔

وزیر:۔ "گویا فضول خرچی بھی کرتے ہو اور تکبّر بھی۔ آخر تم عام لوگوں کی طرح حمام میں کیوں نہیں جاتے حالانکہ تم ان کی طرح کے ایک آدمی ہو اور بس"۔

عبدالملک:۔ "میں اس وجہ سے نہیں جاتا کہ عام قسم کے لوگ بغیر چادر باندھے نہاتے ہیں۔ میں انہیں ننگا نہاتے ہوئے دیکھنا نہیں چاہتا اور نہ انہیں مجبور کرنا چاہتا ہوں کہ وہ تہبند باندھ کر نہائیں۔ اگر میں ایسا کرنے کا حکم دوں تو ان کے لئے یہ ناگوار ہوگا اور وہ سمجھیں گے کہ میں خلیفہ کا بیٹا ہونے کی وجہ سے ایسا کر رہا ہوں حالانکہ میری دُعا ہے کہ اللہ ہمیں حکومت و اقتدار کے نشے میں مبتلا ہونے سے

بچائے۔ اب چچاجان! آپ ہی مجھے نصیحت کیجئے اور مشورہ دیجئے تاکہ کوئی بہتر صورت نکل آئے"۔

وزیر:۔ "تم جب دیکھو کہ حمام خالی ہے اور لوگ نہا کر جا چکے ہیں تو پھر حمام میں جایا کرو۔ میرے خیال میں تمہارے لئے رات کا وقت مناسب رہے گا"۔

عبدالملک:۔ "ٹھیک ہے۔ میں آج کے بعد کبھی دن کے وقت حمام میں نہیں جاؤں گا۔ اور اگر اس علاقہ میں سخت سردی نہ ہوتی تو میں کبھی حمام میں نہ جاتا۔ خدا کے لئے، آپ اس کی خبر اباجان کو نہ ہونے دیجئے گا میں ان کی ناراضگی سے ڈرتا ہوں"۔

وزیر:۔ "لیکن اگر امیرالمومنین نے مجھ سے تمہارے بارے میں پوچھا تو کیا جواب دوں گا۔ کیا تم چاہتے ہو کہ میں ان کے سامنے جھوٹ بولوں"؟

عبدالملک:۔ "نہیں۔ معاذاللہ، لیکن آپ ان سے کہیئے گا کہ میں نے اس میں ایک خراب بات دیکھی... تھی اور اسے سمجھا دیا تھا۔ اب اس نے یہ بات چھوڑ دی ہے۔ میرے والد صاحب، آپ سے کبھی ایسی برائی ظاہر کرنے کے لئے نہیں کہیں گے جو اُن سے پوشیدہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں پوشیدہ چیزوں کی ٹوہ میں لگے رہنے سے محفوظ کر رکھا ہے"۔

عبدالملک:۔ "میں آپ سے اس بات کا وعدہ کرتا ہوں۔ انشاءاللہ"!

**تیسرا منظر:۔ امیرالمومنین عمر بن عبدالعزیز کے گھر میں**

نوکر:۔ "یاامیرالمومنین! آپ کا وزیر دروازے پر ہے"۔

عمر بن عبدالعزیز:۔ انہیں آنے دو۔ (وزیر داخل ہوتا ہے۔

وزیر:۔ "السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ"۔

عمر بن عبدالعزیز:۔ "وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ تشریف رکھیئے۔ مجھے بتایئے کہ آپ نے میرے بیٹے عبدالملک کو کیسا پایا"۔

وزیر:۔ "امیرالمومنین! میں اس سلسلہ میں مختصر بات کرنا چاہتا ہوں"۔

عمر بن عبدالعزیز:۔ "آپ کہیں میں پوری توجہ سے سُن رہا ہوں"۔

وزیر:۔ "باپ اچھے ہوں تو بیٹے بھی اچھے ہوتے ہیں۔ باپ کی اچھائی کا اثر اولاد پر بھی پڑتا ہے"۔

عمر بن عبدالعزیز:۔ "اے میرے اللہ! تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ تیرا شکر ہے، میرے مولا!!"

(پردہ گرتا ہے)

سیّد کاشان جعفری

# فاسٹ بولر

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک مُصنّف کو اپنی ایک تصنیف میں پاگل خانے کا تذکرہ کرنا تھا۔ اُس تذکرے میں حقیقت کا رنگ بھرنے کے لیے اُس نے ایک پاگل خانے کا دورہ کرنے کا منصوبہ بنایا تاکہ وہ پاگلوں کی حرکات و سکنات اور ان کی زندگی کا قریب سے مشاہدہ کر سکے۔

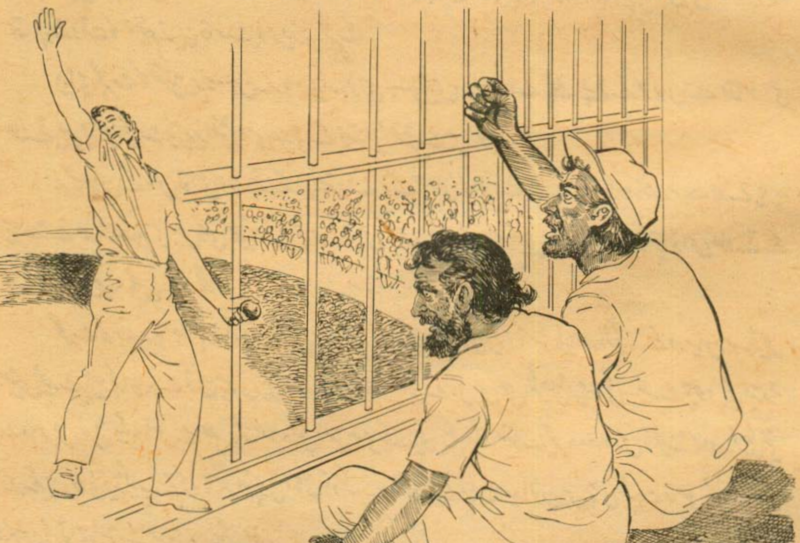

مصنّف نے اس سلسلے میں کوئنس لینڈ کے ایک پاگل خانے کا انتخاب کیا۔ اُس نے پاگل خانے کے حُکّام سے درخواست کی کہ پاگلوں کے متعلق تحقیق کرنے میں اُس کی مَدد بھی کی جائے۔ اُس کی درخواست آسانی سے منظور ہوگئی۔ اور وہ پاگل خانے کی سیر کرتے ہوئے مشاہدے کے نوٹس تیار کرتا رہا۔ اُسی دوران اچانک اُس کی نظر ایک ایسے بوڑھے پاگل پر پڑی جو دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے گُم صُم خلاؤں میں گھُور رہا تھا... پستہ قد کے اس بوڑھے پاگل کے چہرے میں مُصنّف کو شناسائی سی محسوس ہوئی۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سی مقناطیسی کشش تھی جو اُسے اپنی سمت کھینچ رہی تھی۔

پھر وہ اپنا اُس دن کا مشاہدہ ختم کرکے گھر واپس آگیا، مگر وہ پُرکشش آنکھیں اب بھی اُس کے ذہن میں گھوم رہی تھیں۔ وہ یاد کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اُس نے اس پاگل خانے میں بند شخص کو اس سے پہلے کہاں دیکھا ہے... اچانک اُسے کچھ یاد آگیا اور وہ فوراً ہی لائبریری میں پہنچا اور تاریخ سے متعلق کتابوں کو بڑی بے چینی سے اُلٹنے پلٹنے لگا پھر ایک کتاب کے ہاتھ میں آتے ہی جیسے وہ پُرسکون ہوگیا۔ یہ کتاب آسٹریلیا میں کرکٹ کی تاریخ سے متعلق تھی۔ وہ کتاب لیے ہوئے باہر برآمدے میں ایک آرام کرسی پر بیٹھ کر اس کی ورق گردانی کرنے لگا۔ پھر اس کی متجسّس نگاہیں ایک تصویر پر ٹھہر گئیں۔ وہ اُسے غور سے دیکھنے لگا... یہ تصویر پاگل خانے میں موجود اُسی بوڑھے کی تھی اور وہ بوڑھا تھا اپنے وقت کا عظیم ترین فاسٹ بولر ایڈی گلبرٹ۔

ایڈی گلبرٹ کا تعلق بریسبن کے باہر ایک نواحی بستی میں رہنے والے نچلے طبقے کے لوگوں سے تھا اور اسی علاقے میں ایڈی گلبرٹ کی پیدائش اسی صدی کے ابتدائی عشرے میں ہوئی۔

بریسبن کے اس نواحی علاقے کے رہنے والے لوگ جسمانی لحاظ سے بڑے مضبوط اور تندرست ہوتے ہیں۔ تیز دوڑنے اور نشانہ بازی میں بھی کافی مشّاق ہوتے ہیں۔ اس لیے کرکٹ کا کھیل جب آسٹریلیا پہنچا تو اس علاقے کے لوگ بھی اس میں دلچسپی لینے لگے۔

گلبرٹ کو جب یہ معلوم ہوا کہ اس کھیل میں میچز بھی کھیلے جاتے ہیں جو آسٹریلیا اور انگلینڈ کے درمیان ہوتے ہیں جنہیں ٹیسٹ میچ کہا جاتا ہے تو ان میچوں میں حصّہ لینے کی خواہش اس کے دل میں بھی انگڑائی لینے لگی... ٹیسٹ میچوں کی ابتداء ۱۸۷۷ء میں ہوئی لیکن اُس سے بھی ایک عشرہ قبل آسٹریلوی کھلاڑیوں کی ایک منتخب ٹیم ۱۸۶۸ء میں انگلینڈ کا دورہ کرچکی تھی اس ٹیم میں بلا کی ریڈ کیپ، جم کرو، ٹائیگر، ٹوپونی، ڈک اَڈک نے انگلینڈ کے کرکٹ میدانوں میں بڑی شہرت حاصل کی۔ اور یہ لوگ بریسبن کی نواحی بستی کے ہیروز بن چکے تھے۔

انگلینڈ کے دورے سے واپسی کے بعد سارے آدی باسی کھلاڑی گمنامی کے کنوؤں میں جاکر ختم ہوگئے اسی ٹیم کا ایک

کھلاڑی کنگ کول تو انگلینڈ ہی میں موت سے ہمکنار ہو گیا۔ پھر اس کے بعد کسی بھی آدی باسی کو اپنے ملک کی طرف سے کھیلنے کا اعزاز حاصل نہ ہو سکا۔

ایڈی نے تو طے کر لیا تھا کہ اُسے ایسا کارنامہ انجام دینا چاہیے جو اُس سے قبل کسی اور آدی باسی نے انجام نہ دیا ہو۔ ہر روز وہ ایک گول سا پتھر تلاش کر لیتا اور اُس کے ساتھ ہی ایک پودا بھی، وہ اُس پودے کو وکٹ سمجھ کر بالنگ کا آغاز کرتا اور اُس کی یہ مشق اُس وقت تک جاری رہتی تاوقتیکہ پودے کا تنا ٹوٹ کر گر نہ جاتا چند سالوں کی مسلسل مشق اور انتھک کوشش نے اُسے ایک فاسٹ بولر بنا دیا۔

جب وہ بچپن کی حدود سے نکل کر جوانی کی دہلیز پر پہنچا تو ایک دُبلے پتلے کمزور سے لڑکے کی جگہ پھرتیلا، جوشیلا، تندرست اور توانا نوجوان تھا۔ متناسب قد کے ایڈی کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ اُس نے کبھی جوتا نہیں استعمال کیا۔ پھر قسمت میں وہ دن آہی گیا جس کا اُسے بڑی شدت اور بے چینی سے انتظار تھا۔ اُسے کوئنس لینڈ کی قومی کرکٹ ٹیم میں شامل کر لیا گیا۔ قومی ٹیم میں شمولیت کے بعد پہلی مرتبہ بہت سمجھا بجھا کر اُسے جوتے پہننے پر آمادہ کیا گیا۔

ایڈی بولنگ کرانے کے لیے آج کے بولروں کی طرح باؤنڈری لائن کے قریب سے بھاگتا ہوا نہیں آتا تھا اس کا اسٹارٹ دس قدموں کے فاصلے سے ہوتا لیکن گیند کو بیٹسمین کی طرف پھینکتے وقت گیند کی رفتار اتنی تیز ہوتی کہ بیٹسمین اس گیند کو کھیلنے کے بجائے خود کو بچانے کی فکر زیادہ کرتا۔ ایڈی کے ابتدائی چار، پانچ اوور تو بہت ہی تیز ہوتے تھے۔

کچھ عرصہ بعد ہی لوگ ایڈی گلبرٹ کے متعلق عجیب و غریب قصے مشہور کرنے لگے۔ وہ بولنگ کراتے وقت گیند پھینکنے کا بڑا ماہر تھا۔ ایک بار اس کی گیند زمین سے اُچھل کر بیٹسمین کے سر پر لگی اور اُس نے وہیں پیچ ہی پر دم توڑ دیا۔ اس کے باؤنسر کے متعلق یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ جب زمین پر گر کر اُچھلتی تھی تو گری ہوئی جگہ سے دھواں اٹھنے لگتا تھا۔ جوں جوں دن گزرتے گئے گلبرٹ کرکٹ کی دنیا میں ایک ہوّا بنتا چلا گیا اسٹین میکیب نے ایک میچ میں ڈبل سینچری کھیلی، لیکن چونکہ وہ اننگ گلبرٹ کے خلاف کھیلی گئی تھی اس لیے میکیب اُس سیریز کی وجہ سے بہترین بیٹسمین کی حیثیت سے اُبھرے دنیا کے نامور بیٹسمین سر ڈان بریڈمین نے اپنی زندگی میں ۱۵ ایسی اننگ کھیلیں جن میں وہ کوئی رن بنائے بغیر ہی آؤٹ ہو جانے پر مجبور ہو گئے۔ ان ۱۵ اننگ میں ایک اننگ کے بولر گلبرٹ بھی تھے۔ بریڈمین اس اننگ کو کھیلنے کے بعد اس لیے خوش تھے کہ اُن کی جان بچ گئی۔

پھر ۱۹۳۲ء میں ایلکس جارڈن کی سربراہی میں برطانوی کرکٹ ٹیم آسٹریلیا کے دورے پر پہنچی۔ جارڈن نے آسٹریلیا کو ہرانے کے لیے نئی حکمتِ عملی کو اپنایا۔۔۔ ان کی ٹیم میں اُس وقت چار فاسٹ بولرز تھے۔۔۔ جارڈن نے ان کو ہدایت کرتے ہوئے کہا کہ وہ اپنی گیندوں کا رُخ وکٹوں کی طرف نہیں بلکہ بیٹسمین کے جسم کی طرف رکھیں گے۔۔۔ اس حکمتِ عملی کا

نتیجہ وہی ہوا جو جارڈن چاہتے تھے۔ آسٹریلوی کھلاڑی زخمی ہوتے رہے اور میچ ہارتے رہے۔ اننگ ختم ہوئی تو کوئنس لینڈ کے کھیلنے کی باری آئی۔ کیپٹن نے نئی چمکتی ہوئی گیند گلبرٹ کے ہاتھ میں تھمادی... کرکٹ کے شائقین جارڈن کی حکمت عملی سے ناراض تو ہو ہی چکے تھے۔ انھوں نے گلبرٹ کی حوصلہ افزائی کی...

بولنگ شروع ہوئی۔ رفتہ رفتہ ایڈی گلبرٹ کی بولنگ تیز تر ہوتی چلی گئی جارڈن ایسے موقعوں پر نہایت محتاط انداز میں کھیلنے کا ماہر تھا۔ پھر بھی گلبرٹ کی ایک فاسٹ گینداس کے کولہے پر اتنی شدّت سے لگی کہ اُس نے بمشکل تمام خود کو پچ پر گرنے سے بچایا۔ پھر وہ شام تک پچ پر بڑی ثابت قدمی سے ڈٹے رہے اور آؤٹ نہیں ہوئے... کھیل کا وقت ختم ہونے پر جب جارڈن کے ساتھیوں نے اس کا کولہا دیکھا تو وہ گیند کی ضرب سے سُوج کر اچھے خاصے فٹبال کی شکل اختیار کر چکا تھا۔

ایڈی گلبرٹ آسٹریلیا کے لیے بہت مفید بولر ثابت ہو سکتا تھا۔ لیکن نسلی امتیاز کی وجہ سے گوری رنگت کے کھلاڑیوں نے اُسے اپنے برابر درجہ دینے کو پسند نہیں کیا۔ کچھ ایمپائر تو جان بُوجھ کر آدی باسی بولر کو تنگ کرنے کے لیے اس کی گیند کو نو بال قرار دے دیا کرتے۔ اس حرکت سے ایڈی کی ہمّت پست ہوگئی اور اس نے وقت سے پہلے ہی کرکٹ سے ریٹائرمنٹ لے لی۔

آسٹریلیا کی طرف سے ٹیسٹ میچ کھیلنے کی خواہش ایڈی کے دل میں ہی رہ گئی۔ اکثر لوگوں نے یہ بات مشہور کر دی کہ وہ غلط انداز میں بولنگ کراتا ہے۔ ۱۹۳۱ء میں میلبورن میں کھیلے جانے والے ایک میچ کے دوران ایمپائر نے اُسے گیارہ مرتبہ نو بال قرار دیا۔ خود اُس کے اپنے ساتھیوں نے بھی اس کے خلاف غلط سلط پروپیگنڈا شروع کر دیا جس سے ایڈی کو اپنے مستقبل کے بارے میں بڑی مایوسی ہوئی... پھر اُس کا کوئی پتہ نہ چل سکا کہ وہ گمنامی کے پردے میں کہاں چھپ گیا۔ ۱۹۷۲ء میں اگر اُس مُصنّف نے اُسے پاگل خانے میں نہ دیکھ لیا ہوتا تو پھر دنیا میں کسی کو بھی اس کے انجام کی خبر نہ ہوتی۔

آسٹریلیا کی طرف سے ٹیسٹ میچ نہ کھیل سکنے کے صدمے سے وہ اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھا۔ پاگل خانے میں جب مُصنّف نے اُس سے کچھ سوالات کیے تو وہ جواب میں خاموشی سے خلاؤں میں گھورتا رہا۔ آخر ۱۹۷۸ء میں موت نے اُسے اپنی آغوش میں پناہ دے کر سارے دُکھوں سے آزاد کر دیا۔ یہ تھا ایک فاسٹ بولر کا انجام...!

# میٹھی بولی

شین فاروقی

کوّا بولا کاؤں کاؤں
بھٹک رہا ہوں گاؤں گاؤں
میں سب کے گھر جاتا ہوں
اپنا راگ سناتا ہوں
دیتا ہوں پیغام یہی
آئیں گے مہمان ابھی
لیکن یہ سب دھمکاتے ہیں
پتھّر مار بھگاتے ہیں
کُو کُو کُو کوئل بولی
کانوں میں مِصری گھولی
بھائی کوّے ذرا سُنو
رس میں ڈوبے بول چُنو
تم جب میٹھا بولو گے
کانوں میں رس گھولو گے
سب تم کو اپنائیں گے
اپنے پاس بٹھائیں گے

ہندی سے ماخوذ

# نیند

میری نیند پرندے جیسی
صبح ہوئی پھُر سے اُڑ جائے
اور نشیمن میں آنکھوں کے
شام ڈھلے واپس آ جائے
نیند سہانی ساتھ میں لائے
خوابوں کے البیلے پُل
راجا رانی، پریاں، بونے
باغ، پھول، کوئل، بُلبُل

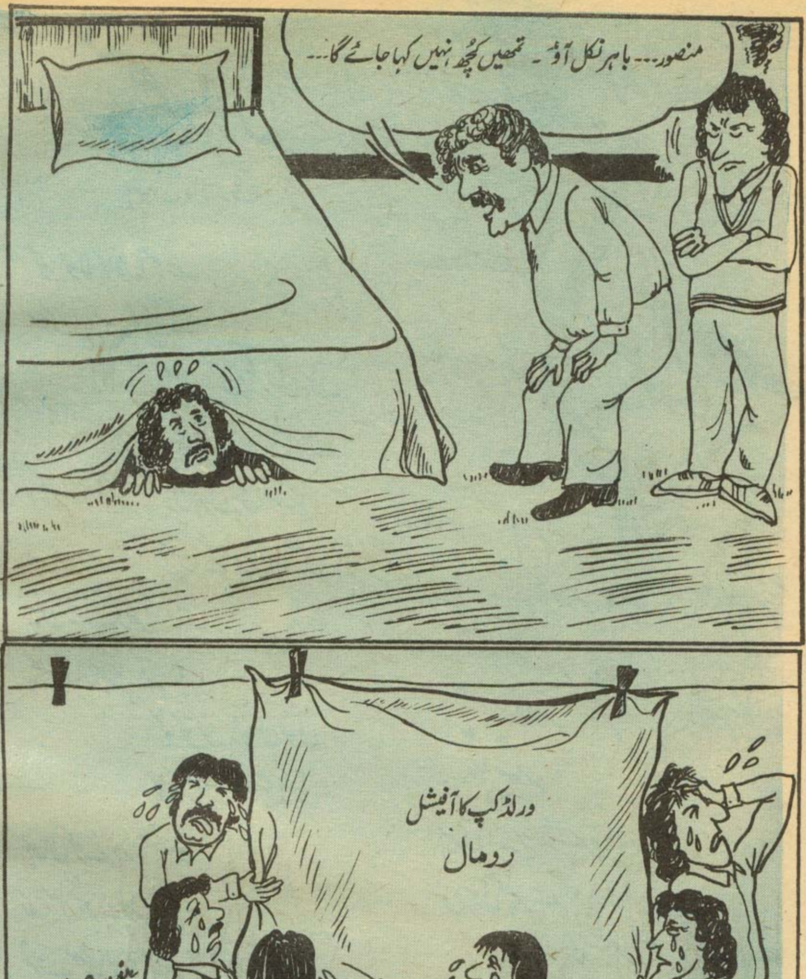
منصور... باہر نکل آؤ۔ تمھیں کچھ نہیں کہا جائے گا...
ورلڈ کپ کا آفیشل
رومال
پاکستانی کرکٹ ٹیم

ایک شخص نے ایک مُرغی خریدی۔ گھر پہنچ کر معلوم ہوا کہ مُرغی لنگڑی ہے۔ وہ دوبارہ دکان دار کے پاس پہنچا اور بولا کہ مُرغی تو لنگڑی ہے۔

دُکاندار بولا "بھائی آپ نے پکا کر کھانی ہے یا اس سے ڈانس کروانا ہے؟"

مظہر شاہ بخاری ——— پنڈ دادن خان

ایک پہاڑی پر تین انگریز رہتے تھے۔ چھوٹے درجے کا افسر پہاڑی کے دامن میں، درمیانے درجے کا افسر پہاڑی کے اوپر اور سب سے بڑا افسر چوٹی پر رہتا تھا، ان تینوں کے کپڑے ایک ہی دھوبی دھوتا تھا وہ اپنا گدھا پہاڑی کے بنگلے تک تو لے جاسکتا تھا، لیکن چوٹی تک نہیں لے جاسکتا تھا کیونکہ راستہ خراب تھا۔ بڑے افسر نے دیکھا کہ ...دھوبی سب کے گھر گدھا لے جاتا ہے میرے گھر نہیں لاتا اسے اپنی اس توہین پر غصہ آگیا جب دھوبی آیا تو انگریز افسر نے انگلی کے اشارے سے اپنی ٹوٹی پھوٹی اُردو میں کہا

"یہ گدھا، وہ گدھا، ہم نہیں گدھا؟"

دھوبی نے گھبرا کر ہاتھ جوڑے اور کہا "ہاں صاحب! آپ بھی گدھا"

شگفتہ مون ——— لیّہ

استاد (شاگرد سے) تم نے میٹرک کا امتحان کس ڈویژن سے پاس کیا ہے؟

شاگرد: کراچی ڈویژن سے!

عبدالرزاق عثمان ——— گھاس منڈی کراچی

امریکہ کے ایک صدر بہت حاضر جواب تھے ایک دن ایک غیر ملکی صحافی ان سے ملنے پہنچا، اس وقت وہ اپنے جوتوں پر پالش کر رہے تھے "آپ اپنے جوتوں پر پالش کر رہے ہیں؟" صحافی نے حیرت سے پوچھا۔

"تو کیا آپ دوسروں کے جوتوں پر پالش کرتے ہیں" صدر نے سنجیدگی سے کہا۔

ارم غزل، حنا شرمین ——— ناظم آباد کراچی

چڑیا گھر کا ریچھ مر گیا۔ انتظامیہ نے دوسرے ریچھ کا انتظام ہونے تک عارضی طور پر ایک شخص کو ریچھ کی کھال پہنا کر ریچھ کے پنجرے میں بند کر دیا۔ ریچھ کے برابر ہی شیر کا پنجرہ تھا اور درمیانی دروازہ کھلا ہوا تھا پنجرے میں داخل ہوتے ہی نقلی ریچھ کی نظر شیر پر پڑی اس نے چلانا شروع کر دیا۔ "بچاؤ بچاؤ۔ شیر شیر"

شور سُن کر شیر اس کے قریب آیا اور اس کے کان میں کہنے لگا۔ "بے وقوف خاموش ہو جا۔ کیوں دونوں کی روزی پر لات مار رہا ہے"۔

**مرتضیٰ علی خان، پی ای سی ایچ ایس، کراچی**

ایک بچے نے اپنے باپ سے پوچھا۔ "کیا یہ صحیح ہے کہ والدین کا علم بچوں سے زیادہ ہوتا ہے۔؟"

"بالکل"۔ باپ نے جواب دیا۔

"اچھا یہ بتایئے کہ دُخانی انجن کس نے ایجاد کیا تھا؟" بچے نے پوچھا۔

"جیمس واٹ نے" باپ نے جواب دیا۔

"تو پھر دخانی انجن جیمس واٹ کے والد نے کیوں ایجاد نہیں کیا۔؟"

**محمد فیصل ———— ٹنڈو الہ یار**

"جاؤ بیٹے، پڑوسن خالہ سے ذرا قینچی مانگ لاؤ"

بٹیا (تھوڑی دیر بعد آکر) "امی! وہ نہیں دیتی"

ماں: "کیسا زمانہ آگیا ہے۔ ہمسایوں کا تو بالکل خیال نہیں رکھتے، چلو الماری سے اپنی قینچی نکال لاؤ"۔

**محمد اکرم سیالوی، چک نمبر ۴۵، تحصیل ننکانہ صاحب**

حامد (اپنے دوست سے) "کل میں نے ایک شیر سے لڑائی کی"

دوست! (حیرت سے) "کیا واقعی؟"

حامد "اگر یقین نہیں آتا تو کل کھلونے کی دکان پر میری اور شیر کی لڑائی دیکھ لیتے"۔

**صبوحی نعیم ———— کراچی**

پہلا آدمی (دوسرے سے) "آپ دن میں کتنی مرتبہ شیو بناتے ہیں؟"

دوسرا آدمی: "یہی کوئی چالیس مرتبہ!"

پہلا آدمی "کیا آپ پاگل ہیں؟"

دوسرا آدمی: "جی نہیں، میں حجام ہوں"۔

**دانا عامر کریم ———— بورے والا**

ایک بچہ گلی میں کھیل رہا تھا۔ کہیں سے ایک کتا آکر اس کے پاؤں چاٹنے لگا۔ بچہ خوفزدہ ہو کر روتا ہوا گھر کی طرف بھاگا۔ ماں نے پوچھا "کیوں رو رہے ہو بٹیا؟ کیا کتے نے کاٹ لیا۔؟"

بچے نے روتے ہوئے کہا "ابھی تو چکھ رہا تھا، میں نہیں بھاگتا تو کاٹ لیتا"۔

**شفقت علی مہر ———— کھاریاں**

ایک شخص کیلے فروخت کر رہا تھا اور آوازیں لگا رہا تھا۔ آنے کے دو آنے کے دو

وہاں سے ایک دیہاتی گزرا۔ اور بولا "بھائی جانے کے کتنے ہوں گے۔"

**پرنس ایم حنیف خانزادہ ———— بوچھیری**

ایک بچّہ زور زور سے بلب اپنے سر پر رگڑ رہا تھا۔
اس کی ماں نے حیرت سے پوچھا
"یہ کیا کر رہے ہو بیٹا؟"
"دماغ روشن کر رہا ہوں امّی جان!" بچّے نے جواب دیا۔

---

مریض: "ڈاکٹر صاحب! کھانسی تو بند ہوگئی ہے لیکن سانس رُک رُک کر آرہا ہے۔"
ڈاکٹر: "گھبراؤ نہیں، انشاءاللہ وہ بھی بند ہوجائے گی"
جے آئی ساغر ــــــــ بلدیہ ٹاؤن کراچی

ایک دوست: "میرے دادا کا باغ اتنا بڑا تھا کہ گھوڑا بھی اُسے عبور کرتے کرتے تھک جاتا تھا۔"
دوسرا دوست: "میرے دادا جان کے پاس اتنا لمبا بانس تھا کہ وہ اس سے بادلوں کو ہلاتے تو بارش ہوجاتی تھی"۔
پہلا: "مگر تمھارے دادا جان اتنا لمبا بانس رکھتے کہاں تھے؟"
دوسرا: "تمھارے دادا جان کے باغ میں"۔
شکیل احمد ــــــــ اوتھل ضلع لسبیلہ

راہ گیر (آم والے سے) "کیا تمھارے پاس لنگڑا ہے؟"
آم والا: "جی ہاں ہے جب ہی تو ٹھیلے پر لیے پھر رہا ہوں"۔

استاد: "مسدّسِ حالی کی اُلٹ کیا ہوگی؟"
شاگرد: "مسدّسِ بدحالی"۔
حسن مہندی خراسانی ــــــــ انچولی کراچی

کرائے دار: "جب میں نے پچھلا مکان چھوڑا تھا تو مالک مکان زاروقطار رو رہا تھا"۔
مالک مکان: "لیکن میں ایسا نہیں کروں گا۔ کیونکہ میں کرایہ پیشگی لینے کا عادی ہوں"۔

ایک ایمپلائمنٹ ایکسچینج کے نوٹس بورڈ پر لکھا تھا۔ کلرک کی ضرورت ہے خواہ تجربہ کار ہو یا ناتجربہ کار مرد ہو یا عورت، کالا ہو یا گورا، اس کے نیچے کسی نے اضافہ کر دیا "مُردہ ہو یا زندہ"۔
ممتاز احمد قریشی ــــــــ

ایک دیہاتی کے پاؤں پر پاگل کتّے نے کاٹ لیا وہ سرجن کے پاس گیا اور اپنا زخم دکھایا۔
سرجن نے کہا: "اس زخم کو کاٹنا پڑے گا جس کے چار ہزار روپے لگیں گے"۔
دیہاتی نے جواب دیا: "واہ کتے نے تو مفت کاٹا اور آپ کاٹنے کے چار ہزار روپے مانگ رہے ہیں"۔

اُستاد: "ٹومارو" کا کیا مطلب ہے"؟
شاگرد: "دو مارو"۔
اُستاد (غصّے سے) اور TO DAY کا کیا مطلب ہے؟
شاگرد: "دو دِن"۔

ایک دوست: "تمھارے پاس کیا ہے"؟
دوسرا دوست: "میرے پاس اللہ کا دیا سب کچھ ہے، اور تمھارے پاس کیا ہے"؟
پہلا دوست: "میرے پاس بندوں کا دیا سب کچھ ہے"۔
عامر اعجاز ــــــــ ڈنگہ گجرات

# خوشگوار سفر کی نئی بات ... زیادہ آرام اور آسائش کے ساتھ!
# پی آئی اے کی ایگزیکیٹو کلاس "سوہنی"!

## اپنے نام کی طرح حسین

سوہنی ایک لفظ جو ذہن میں حسن و دلکشی کا تصور پیدا کرتا ہے .... ایک خوبصورت لفظ جو پی آئی اے کی ایگزیکیٹو کلاس کے تخلیق کا محرک بنا... جس نے ہمیں آج کے کاروباری سفر کو زیادہ سے زیادہ آرام دہ اور پرسکون بنانے کی دعوت دی، اور پھر ہم نے "سوہنی" کو حسن و دلکشی، سکون و آرام کے ہمہ گیر لوازمات سے سجایا۔

—آپ کی سہولت کیلئے فرسٹ کلاس چیک ان کاؤنٹر، بورڈنگ میں ترجیح اور ۳۰ کلو سامان لیجانے کی اجازت

—آپ کے آرام و سکون کیلئے ہمارے بوئنگ ۷۴۷ طیاروں میں خصوصی کیبن، ہر قطار میں صرف ۲ کشادہ سیٹیں، پاؤں پھیلانے کیلئے وافر جگہ اور خصوصی ڈیزائن کے آرام دہ "فٹ ریسٹ" .... پرسکون ماحول جہاں مرضی ہو تو دفتری کام کیجئے، یا مکمل آرام — آپ کے پسندیدہ روایتی پاکستانی اور مغربی کھانے نفیس چینی برتن، دیدہ زیب کٹلری، خصوصی تربیت یافتہ فضائی عملہ ایک نئے اور جاذب نظر لباس میں ملبوس اس کے علاوہ بہترین نئی فلمیں، مختلف قسموں کی موسیقی کے ۱۲ چینل، دنیا کے مشہور ترین اخبارات، رسالے اور جرائد ... غرضیکہ وہ تمام خصوصیات جو آپ کے سفر کو داستانوں کی طرح حسین اور یادوں کی طرح دل نشیں بنا دے گی۔

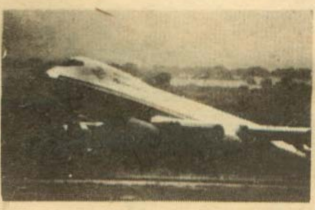

**PIA** پی آئی اے

**پاکستان انٹرنیشنل**

باکمال لوگ۔ لاجواب پرواز

ایمسٹرڈیم ● ایتھنز ● بینکاک ● قاہرہ ● کولمبو ● دمشق ● دوبئی ● فرینکفرٹ ● اسلام آباد
استنبول ● کراچی ● کوالالمپور ● لندن ● منیلا ● ماسکو ● نیویارک ● پیرس ● روم ● سنگاپور ● ٹوکیو

PID(ISLAMABAD)

IAL-IPP-17-87

آغا عبدالحمید

# بولتی مچھلی

محمود ندی کے کنارے ایک پتھر پر بیٹھ گیا، گرمی کا موسم تھا، ہوا چل رہی تھی، سورج دُور پہاڑوں کے پیچھے غروب ہو رہا تھا، ندی پر اِدھر اُدھر بھنورے اور پتنگے اُڑ رہے تھے۔ ندی خاصی گہری تھی اور اس کا پانی بلّور کی طرح صاف اور شفّاف تھا" اس لیے اس میں تیرتی ہوئی مچھلیاں صاف نظر آتی تھیں۔ محمود بڑی دلچسپی سے ان مچھلیوں کو اِدھر اُدھر اُچھلتے کودتے دیکھ رہا تھا، کہ اتنے میں ایک اچھی خاصی موٹی سی مچھلی اس کے قریب آکر اُچھلی اور ایک اُڑتے ہوئے بھنورے کو لپک کر منہ میں لے لیا۔ جب مچھلی اچھلی تو محمود نے اس کی گردن پر سبز اور سُرخ رنگ کے گلپھڑے دیکھے، جو بہت خوبصورت نظر آتے تھے۔ بھنورا کھا کر مچھلی نے کہا:

"دیکھا بھونرا اس طرح پکڑا جاتا ہے!"

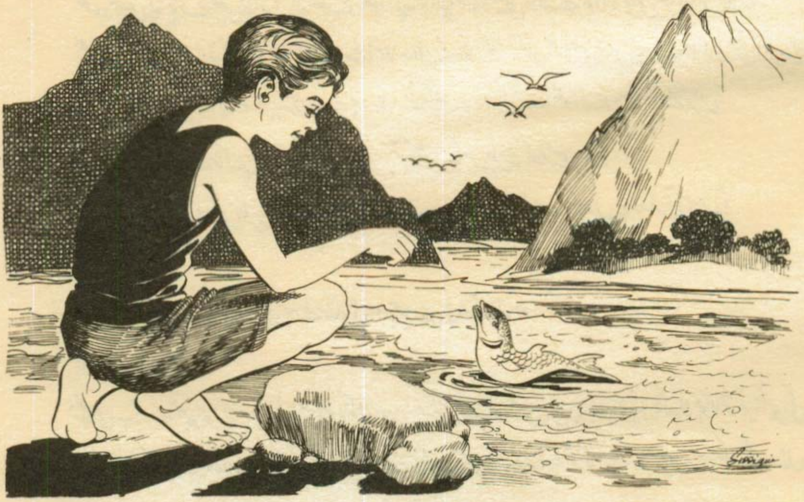

محمود حیرانی سے اُچھل پڑا۔ اور اپنا وزن سنبھالنا رکھ سکنے کی وجہ سے پتھر پر سے گر پڑا۔ پھر تعجب سے چلا اُٹھا، "اُیں۔ یہ مچھلی تو باتیں کرتی ہے!"

مچھلی محمود کے پاؤں کے قریب آگئی اور بولی: "ہاں میاں لڑکے! مچھلیاں بہت سی ایسی باتیں جانتی ہیں جو تم نہیں جانتے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ صاف اور سلیس اُردو بول سکتی ہیں، بلکہ آج کل کی پڑھی لکھی تو انگریزی بھی بول لیتی ہیں۔ پرسوں پرے روز کا ذکر ہے کہ ایک بہت بڑی عالم فاضل مچھلی نے ایک بھاری علمی جلسے میں مچھلی کی قابلیت پر ایک مضمون پڑھا تھا۔ کیا تمھارا خیال ہے کہ ہم تعلیم سے کورے ہیں؟ اپنے ابّاجان سے پوچھنا وہ تو ماہی گیر ہیں اور ان باتوں کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ اگر میں نے اعلیٰ تعلیم حاصل نہ کی ہوتی تو کبھی کی شکار ہو گئی ہوتی یہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے ہی کی برکت ہے کہ میں وزن میں سیر بھر ہو گئی ہوں۔"

محمود حیرانی سے بول اُٹھا: "وہ کیونکر؟"

مچھلی۔ "بات دراصل یہ ہے کہ جو مچھلیاں تعلیم سے بے بہرہ اور بے وقوف ہوتی ہیں اُنھیں یا تو بگلے کھا جاتے ہیں اور یا مچھیروں کے جال وغیرہ میں پھنس جاتی ہیں۔ ایک عقل مند مچھلی اپنی عقل کی بدولت ہر وقت خطرے سے آگاہ رہتی ہے۔ اس کے علاوہ اُسے معلوم ہوتا ہے کہ مجھے اپنی خوراک کہاں سے ملے گی۔ مثال کے طور پر مجھے ہی دیکھو میں اس وقت یہاں آگئی ہوں۔ کیونکہ شام کے وقت اس بلوط کے درخت سے بہت سے عُمدہ پروانے اور بھونرے نکلتے ہیں۔ جو کھانے میں بہت لذیذ ہیں، بارش کے بعد میں ندی کے چڑھاؤ کی طرف چلی جاتی ہوں۔ بھلا جانتے ہو کیوں؟"

محمود مچھلی پر اپنی بے علمی ظاہر کرتے ہوئے جھینپ سا گیا، اور دھیمی آواز سے بولا: "نہیں میں نہیں جانتا۔"

مچھلی۔۔۔ "لاحول ولاقوۃ۔ ماشاءاللہ تم سات آٹھ سال کے ہو گئے لیکن اتنا بھی نہیں جانتے۔ سنو! میں اس لیے وہاں جاتی ہوں کہ بارش کے بعد وہاں زمین سے بہت سے کیچوے اور کیڑے مکوڑے وغیرہ نکلتے ہیں۔"

محمود۔۔۔ (نفرت سے ناک چڑھا کر) "توبہ! توبہ! تم کیڑے کس طرح کھا لیتی ہو؟"

مچھلی۔۔۔ "منہ سے اور کس طرح! شاید تمھارا مطلب یہ ہے کہ میں کیڑے کیوں پسند کرتی ہوں؟"

محمود۔۔۔ "ہاں۔"

مچھلی۔۔۔ "تم مچھلی، گوشت، پنیر اور کھانے کی اور چیزیں پسند کرتے ہو نا؟"

محمود۔۔۔ "بے شک۔"

مچھلی۔۔۔ "اب سمجھ لو۔ کہ ہر جاندار اپنی خوراک کیوں پسند کرتا ہے۔ کسی دن جب پانی ذرا گدلا ہوگا تو تم بنسی کی ڈور پر ایک کیچوا لگا کر مجھے دھوکا دینے کی کوشش کرو گے لیکن مجھے اُمید ہے کہ تم کامیاب نہیں ہو سکو گے۔ میں

کوئی چیز دیکھے بھالے بغیر منہ میں نہیں ڈالتی۔"

محمود ۔"بڑے ہوکر اگر میں نے کبھی تمھیں پکڑ بھی لیا تو پھر اسی پانی میں چھوڑ دوں گا۔"

مچھلی ۔"مہربانی ۔ اگر واقعی پکا وعدہ کرتے ہو تو میں کچھ دیر ٹھہر کر تم سے باتیں کرتی ہوں ۔ ذرا ٹھہرنا ایک بھونرا آیا ہے ۔"۔۔

یہ کہہ کر چالاک مچھلی ہوا میں اُچھلی اور نہایت پھُرتی سے بھونرا پکڑ کر کھا گئی اور پھر ہونٹ چاٹتی ہوئی واپس آگئی۔

محمود ۔"بھونرے پکڑنا بڑا ظلم ہے"۔

مچھلی ۔"یقیناً لیکن کیا مچھلی پکڑنا ظلم نہیں ۔ میرا خیال ہے ۔تم اسکول میں فلسفہ نہیں پڑھتے ۔ ہر ایک کو دنیا میں زندہ رہنا ہے اور میری ایک سہیلی کو دریائی کُتّے نے پکڑتے وقت یہی کہا تھا۔"

محمود ۔"دریائی کُتّے کا کیا قصّہ ہے"؟

مچھلی ۔"یہ ایک افسوس ناک واقعہ ہے ۔ خیر چونکہ ہم سب کو کسی نہ کسی طرح مرنا ہے اس لیے افسوس کرنا بے فائدہ ہے ۔ اب سنو! کوئی ایک ہفتے کا ذکر ہے کہ میں اور ایک میری سہیلی ایک رات کو یہاں پھر رہے تھے۔ہم نے پیٹ بھر کر کھانا کھا رکھا تھا" اس لیے میری سہیلی پر کچھ سُستی سی چھائی تھی۔اچانک پانی پر ایک سایہ سا پڑا۔ میں نے اپنی سہیلی سے کہا۔ ہوشیار ہوجاؤ۔دریائی کتّا آگیا ہے۔لیکن اس سے پہلے کہ میری سہیلی بھاگ سکے۔دریائی کُتّے نے اس کو پکڑ لیا۔"

محمود :"میں دریائی کُتّے سے نفرت کرتا ہوں"۔

مچھلی :"ہاں مجھے بھی اس سے نفرت ہے۔لیکن ہم اس کی خوراک ہیں' اور آخر اُسے بھی زندہ رہنا ہے اس کے علاوہ ہمارے اور بھی کئی دشمن ہیں۔مثلاً شارکیں۔جانتے ہو شارک کیا ہوتی ہے"؟

محمود :"نہیں"۔

مچھلی :"شارک بھی ایک قسم کی مچھلی ہے۔ لیکن بڑی ظالم ہوتی ہے۔آدمی پر بھی حملہ کر بیٹھتی ہے چھوٹی مچھلیوں کی تو جانی دشمن ہے۔ایک دن ایک شارک نے مجھ پر حملہ کیا اور میرے پیچھے تیزی سے بھاگی۔میں اُوپر اُچھل پڑی اور وہ آگے نکل گئی۔میں دوڑ کر گھاس میں چھپ گئی۔تم سمجھ سکتے ہو کہ میرا دل کس قدر دھڑکتا ہوگا"!

محمود :"تم کبھی بنسی سے بھی پکڑی گئی ہو"؟

مچھلی :"ہاں ایک دفعہ۔ایک دن میں نے ایک خوبصورت سیاہ بھونرا پانی میں گرتا دیکھا' میں نے فوراً اُسے منہ

میں ڈال لیا۔ لیکن وہ مجھے سُوکھا ہوا اور بے مزہ معلوم ہوا۔ میں نے اُسے منہ سے نکال دینا چاہا۔ لیکن کانٹا میرے منہ کے ایک طرف پھنس گیا۔ اس وقت میں نے دیکھا کہ موکو کسان ہاتھ میں ایک لمبی سی بنسی لیے بیٹھا ہے۔ میں نے اپنی کئی سہیلیاں پھنسی ہوئی دیکھی تھیں۔ اس لیے میں جانتی تھی کہ اب کیا کرنا چاہیئے، میں پورے زور سے ندی کے چڑھاؤ کی طرف بھاگی۔ ایک زبردست جھٹکا لگا اور آزاد ہو گئی۔ اس دن سے میں بہت ہوشیار رہتی ہوں۔"

محمود: "تمھیں تو اور بھی بہت سے واقعات پیش آچکے ہوں گے؟"

مچھلی۔ "ہاں بے شمار۔ اتنے بہت کہ ایک کتاب لکھی جا سکتی ہے۔"

ایک سیاہ مکھی مچھلی کے منہ کے پاس اُڑ رہی تھی۔ محمود نے پوچھا "تم اس مکھی کو کیوں نہیں پکڑ لیتیں؟"

مچھلی۔ "جس طرح تم دسترخوان پر پلاؤ، زردہ، پنیر وغیرہ دیکھ کر چپاتیاں کھانے سے انکار کر دیتے ہو اسی طرح مجھے آج بھونرے مل رہے ہیں۔ میں ان سیاہ مکھیوں کو بھلا کیسے پسند کر سکتی ہوں۔"

محمود۔ "اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمھیں کھانے کو اچھی اچھی چیزیں مل جاتی ہیں۔"

مچھلی۔ "بعض اوقات تو جو کچھ بھی مل جائے غنیمت ہوتا ہے، لیکن سردیوں کے شروع میں تو ہر روز ضیافتیں اُڑتی ہیں۔ سب سے اچھا مئی کا مہینہ ہے۔ ان دنوں ایک خاص قسم کے بھونرے اُڑتے ہیں جو بہت لذیذ ہوتے ہیں ایک دن موکو کسان اسی قسم کے بہت سے بھونرے لے کر آیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ کافی شکار ہاتھ لگے گا۔ لیکن میں نے دیکھا کہ بس تھوڑی سی بے علم اور بے وقوف مچھلیاں ہی اس کے ہاتھ آئیں۔"

محمود۔ "تم بہت اچھی مچھلی ہو۔ میں تمھیں بہت پسند کرتا ہوں۔"

مچھلی۔ (ہنس کر) "بُھنی ہوئی یا تیل میں تلی ہوئی؟"

محمود۔ "نہیں۔ میرا مطلب کھانے سے نہیں، بلکہ تمھیں دیکھنے اور تم سے باتیں کرنے سے ہے۔ بھلا تم کس قدر اُچھل سکتی ہو؟"

مچھلی۔ "میرا خیال ہے کہ دو فُٹ تک اُچھل سکتی ہوں، اگر تمھاری خواہش ہو تو اُچھلوں لو ایک دو تین۔"

تین کہہ کر مچھلی پانی سے اُچھلی اور ہوا میں ایک قلابازی کھا کر دھڑام سے پانی میں آرہی۔ جیسے ہی وہ پانی میں گری اُس نے "خُدا حافظ" کہا۔

محمود حیران ہو کر چِلّا اُٹھا "تم کہاں ہو" لیکن بولتی مچھلی پانی میں غائب ہو چکی تھی۔ اُس وقت رات ہو چکی تھی، تاروں کا عکس شفّاف پانی میں پڑ رہا تھا، اور محمود کے ابّاجان اُسے آوازیں دے رہے تھے۔ محمود ہرے بھرے میدان سے ہوتا ہوا گھر کی طرف چل دیا۔

# آئیے گھر سجائیں

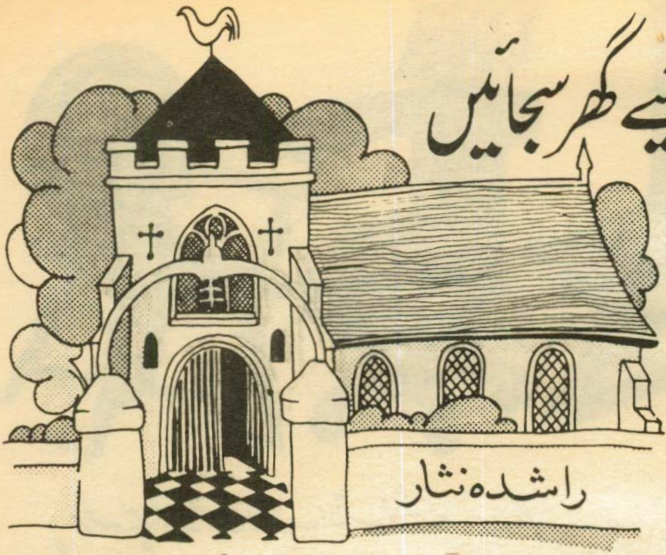

راشدہ نثار

کبھی آپ نے سوچا ہے کہ ہم لوگ اس دنیا کو خوبصورت پُرسکون اور حسین بنا سکتے ہیں. بچّوں کا پہلا کام تو تعلیم حاصل کرنا ہے. سب سے زیادہ توجّہ اس پر دینا چاہیئے اور پھر جو وقت بچے اس میں کوئی نہ کوئی مفید مشغلہ ضرور اختیار کرنا چاہیئے۔

مفید مشغلے بچّے بچیّوں دونوں کے لئے اہم ہیں لیکن ہم آج جو موضوع چھیڑ رہے ہیں وہ خاص طور پر بچیّوں کے لئے اہم ، دلچسپ اور دلکش ہے لیکن بچّوں کو بھی اس میں دلچپی ضرور لینا چاہیئے. اس لئے کہ ماحول کو خوبصورت بنانا سب ہی کا فرض ہے لیکن بچیاں اس کام کے لئے قدرتی رجحان زیادہ رکھتی ہیں۔

ایک بات اور ذہن نشین کرنا چاہیئے کہ کارآمد مفید اور دلچسپ مشغلوں میں جو فائدے کی بات ہے وہ یہ ہے کہ بچّے فضول وقت ضائع نہیں کرتے ان کا ذہن مستقل مصروف رہتا ہے اور بچوں ا.. جو مشینیں صحت و صفائی کے ذریعے تیزی سے چلتی رہتی ہیں وہ خراب اور زنگ آلود نہیں ہوتیں یہی حال دماغ اور جسم کا ہے اسے متحرّک اور مصروف رکھنا ضروری ہے ویسے جو بچّے کھیل کود میں وقت گنواتے ہیں وہ آگے چل کر بڑے رنجیدہ ہوتے ہیں کہ دنیا کی بھاگ دوڑ میں وہ دوسروں سے پیچھے رہ گئے۔

بہت سے کارآمد مشاغل میں سے ایک مشغلہ گھروں کی سجاوٹ اور آرائش کا ہے آپ لوگ تھوڑی سی محنت اور توجّہ سے گھروں کو نہ صرف صاف ستھرا رکھ سکتے ہیں بلکہ اس طرح دل فریب بھی بنا سکتے ہیں کہ آپ کا گھر منفرد اور خوبصورت نظر آئے دوسرے ساتھی بھی آپ کے گھر کو دیکھ کر متاثر ہوں گے۔

ہر گھر میں ایک مخصوص قسم کی ترتیب ہوتی ہے خواہ گھر چھوٹا ہو یا بڑا بعض گھر میں ایک ڈرائنگ روم ہوتا ہے. زیادہ تر گھروں میں یہ گھر کا سب سے بڑا کمرہ ہوتا ہے. اس میں ایک بڑا حصہ ملاقاتیوں کے لئے اور دوسرا حصہ کھانے کی میز پر مشتمل ہوتا ہے یہ ڈرائنگ ڈائننگ روم کہلاتا ہے۔

اگر گھر میں چھوٹے دو کمرے ہوتے ہیں تو ایک والدین کا اور ایک بچوں کا کمرہ ہوتا ہے گھر اگر بڑا ہوتا ہے تو افرادِ خانہ کو الگ الگ کمرے دیئے جاتے ہیں۔

بہت سی بچیاں سمجھتی ہیں کہ گھر کی سجاوٹ کے لئے بہت سے پیسے درکار ہوتے ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہوتا ہے۔ گھر چھوٹا ہو یا بڑا پیسے کم ہوں یا زیادہ اصل ضرورت سلیقے اور ذہانت کی ہے اور آج کل کی بچیاں ماشاء اللہ ذہین بھی ہیں اور سمجھ دار بھی ہیں اور موجودہ ماحول سے واقف بھی ہیں۔

آیئے پہلے ابتداء اپنے گھر میں داخلے سے ہی کرتے ہیں، سب سے پہلے تو دیکھئے کہ آپ دروازے سے فوراً ڈرائنگ روم میں آجاتی ہیں یا پہلے تھوڑی سی راہ داری برآمدہ ٹیرس یا پھر کوئی کشادہ لان یا گیراج ہے۔

اگر کوئی بھی کھلی یا گھری ہوئی جگہ ہے تو اس کی صفائی کے ساتھ اس کی سجاوٹ گملوں سے کی جاتی ہے برآمدہ ہو اور اگر کوئی ستون ہو تو بیلوں والے گملے لگا کر ستون پر بیلیں چڑھا دیجئے، اگر گملے مٹّی کے ہوں تو رنگ کر دیجئے اور اگر قیمتی والے ہوں تو بس اس کا خیال رکھیئے کہ بہت پھیلے یا چپٹے گملے نہ ہوں درمیانے سائز کے ہوں نہ تو جگہ پوری بھر جائے اور نہ ہی بالکل خالی نظر آئے۔

آپ اپنے ڈرائنگ روم یعنی مہمانوں والے کمرے میں آجایئے یہ کمرہ سب سے زیادہ توجّہ ذہانت اور عقلمندی کا

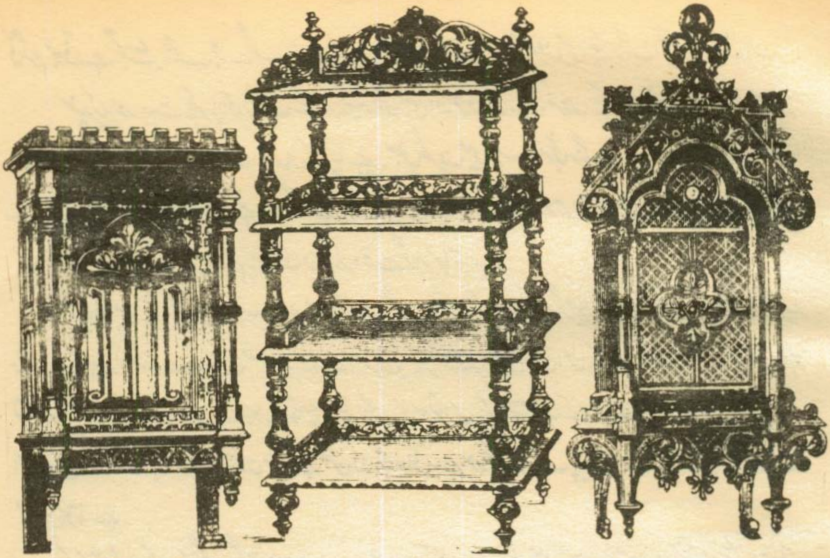

تقاضا کرتا ہے کیونکہ آنے والا مہمان ایک نظر اس کمرے پر ڈال کر گھر والوں کے متعلق اندازہ کرلیتا ہے کہ وہ کس قسم کے لوگ ہیں۔ بعض گھروں میں قیمتی اشیاء اور مہنگی چیزوں کے ڈھیر لگے ہوتے ہیں لیکن ترتیب خوبصورتی اور عقلمندی کے بغیر وہ بدنما اور برے لگتے ہیں اور بعض گھروں میں رنگوں کی ناواقفیت سے رنگ برنگے کمرے کو دیکھ کر سر میں درد ہونے لگتا ہے۔ اگر سلیقے سے کام لیا جائے تو معمولی اشیاء سے بھی گھر کو سجایا جا سکتا ہے۔

پہلے یہ دیکھنا چاہیئے کہ گھر کے ڈرائنگ روم کے دروازوں کا رنگ کیسا ہے۔ سفید ہے یا ہلکا کریم ہے تو آپ کا کام آسان ہوگیا۔ اگر مختلف رنگ ہوئے مثلاً سلیٹی، جامنی، گلابی تب آپ کے لئے مشکل ہوگی۔

ڈرائنگ روم کی آرائش پردوں سے ہوتی ہے ضروری نہیں کہ پردے بہت قیمتی ہوں معمولی پردوں بلکہ امی کی پرانی ساڑھیوں تک سے خوبصورت وضع کے پردے تیار کئے جا سکتے ہیں۔ پردوں کے لئے رنگ کی مناسبت کا خیال رکھنا ضروری ہے کیونکہ پیلے، گلابی رنگ کے ڈرائنگ روم میں آپ نارنگی اور جامنی پردے ڈال دیں تو نظر کو برے لگیں گے۔

ایک بات ذہن میں رکھنی چاہیئے کہ اپنے گھر کو سجانے میں رنگوں اور ترتیب کا خاص خیال رکھنا چاہیئے۔ اور ہر بچے کو رنگ کے بارے میں ابتدائی معلومات ہونی چاہئیں آپ کی معلومات کے لئے ہم چند اہم باتیں آپ کو بتا دیں۔

رنگ انسانی زندگی میں ماحول میں اور گھروں میں بہت اہم ہوتے ہیں بعض رنگوں کی تاثیر ٹھنڈی اور بعض

کی گرم ہوتی ہے۔ گہرے رنگ بڑے گھروں میں زیادہ استعمال ہوتے ہیں۔ چھوٹے گھروں میں ہلکے رنگ استعمال ہوتے ہیں۔
سفید کریم اور بہت ہلکے بادامی رنگ سے ہر چیز کھلی کھلی اور بڑی لگتی ہے۔ کمروں کے اندر عموماً نیلا، ہلکا سبز ہلکا فیروزی یا بہت ہی ہلکا پیازی استعمال کرنا چاہیئے۔ بعض گھروں میں گہرا نارنجی رنگ زیادہ استعمال ہونا ہے اس سے عام طور پر سر میں درد ہوجاتا ہے ایسے گہرے رنگ یا تو ایسے برآمدے میں جو ہر وقت کھلا رہے یا پھر ایسے لاؤنج میں استعمال کیا جائے جہاں شام یا ٹی وی دیکھ کر وقت گزارا جاتا ہے۔
گرمیوں میں ہلکے رنگ اور سردیوں میں گہرے رنگ استعمال کرنا چاہئیں، گرمیوں میں البتہ پردے بھاری اور گہرے رنگ کے ہوں تو ٹھنڈے رہتے ہیں خصوصیت سے ہرے یا پھر گہرے چاکلیٹی لیکن اس کے علاوہ گہرے رنگ کا قالین ہو تو فرنیچر اور پردے ہلکے رنگ کے ہوں اور قالین ہلکے رنگ کا ہو تو اس کے گہرے شیڈ کے پردے ہوں ان رنگوں کے صحیح استعمال سے اعصاب کو بہت سکون ملتا ہے تھکن دور ہوجاتی ہے اور گھر ایک پیاری اور آرام دہ اور پُرسکون جنت معلوم ہوتا ہے۔
کوشش یہی کریں کہ گھر اگر چھوٹا ہو اور بہت چھوٹا ہو تو پھر پورے گھر میں آف وائٹ یا ہلکا کریم رنگ ہو تو چھوٹا گھر بڑا لگے گا۔
پھر یہ دیکھئے کہ کمرے میں فرنیچر زیادہ نہ ہو چھوٹے ڈرائنگ روم میں ایک صوفہ کچھ اضافی کرسیاں یا ایک سیٹی کافی ہے اگر آپ یہ چاہیں کہ زیادہ لوگوں کے بیٹھنے کی گنجائش ہو اور صوفے سے ہی کمرہ بھر جاتا ہے تو چمڑے کی چھوٹی سی بیٹھنے کی گدیاں بازار میں ملتی ہیں وہ لے لیں یا پرانے ٹائروں سے چھوٹے چھوٹے موڑھے کپڑا چڑھا کر بنالیں یہ بھی خوبصورت لگیں گے ایک کونے میں یاد نو کارنر میز ہو یا بنے ہوئے کارنر ہوں یہ بھی نہ ہوں تو تاروں کے کونے لگا دیجئے اور ان میں سجاوٹ کے کچھ نمونے لگا دیجئے۔
چھوٹی موٹی چیزیں مثلاً آرائشی گلدان، گڑیا، مختلف خالی چھوٹی خوبصورت شیشیوں سے منی پلانٹ وغیرہ لگادیں اور یہ بھی مشکل ہو تو انڈے کے چھلکے کی گڑیا بنا کر رکھ دیں۔
یقیناً ہر ایک کی خواہش ہوتی ہے کہ ڈرائنگ روم کی دیوار پر کچھ نہ کچھ سجاوٹ ہو اگر قیمتی پینٹنگ آپ کے پاس ہے تب تو کوئی بات نہیں لیکن اگر ایسا نہیں ہے تو اداس اور مایوس ہونے کی ضرورت نہیں بازار میں بڑی تصاویر سستے کینوس پر مل جاتی ہیں کوئی اچھی تصویر لگا لیجئے یہ پسند نہ ہو تو ہم ایک بہت اچھی ترکیب بتاتے ہیں۔ ایک جوٹ کا کپڑا لے کر اسے فریم کروا لیجئے اور جوٹ پر اگر آپ کو کشیدہ کاری آتی ہے تو کوئی تصویر کاڑھ لیجئے اور اگر نہیں آتی تو پھر سوکھے ہوئے پھول گند نری بالیاں کچھ سوکھی گھاس اور ایسے ہی گھاس کے پھول کسی گوند سے

ترتیب سے چپکا لیجیے یہ بھی اپنے طور پر منفرد آرائش لگے گی۔
پرانی خوبصورت خالی شیشوں سے بہترین آرائش کی جاسکتی ہے۔ ایسی شیشیاں اگر عام نہیں ملیں تو پرانی شیشیوں کا ایک پورا بازار ہے کبھی وہاں سے جا کر لے آیئے ان شیشوں میں پھول پلاسٹک کے کپڑے کے یا قدرتی آرائش کے لئے استعمال کیئے جاسکتے ہیں کونے میں اسے دیوار پر مکرامے میں لگا دیجئے کوئی بھی قدرتی لٹکنے والی بیل زیادہ تر منی پلانٹ لگائی جاتی ہے کیونکہ وہ کمرے کی کم روشنی میں بھی زندہ رہتی ہے، لگا دیجئے۔ یہ ایک حسین سجاوٹ نظر آئے گی۔
مکرامے آج کل فیشن میں نہیں رہے اس کے باوجود ایک آدھ منی پلانٹ وغیرہ تقریباً ہر گھر میں سجایا جاتا ہے ... اور آپ کو مکرامے وغیرہ تھوڑی سی محنت سے خود آسکتے ہیں یہ مشکل کام نہیں ہے۔
جہاں ڈرائنگ روم اور ڈائننگ روم ایک ہی ہوتے ہیں اور اسے علیحدہ رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے وہاں بیچ میں مکرامے اور موتیوں کا خوبصورت پردہ لگا دیا جاتا ہے اور پردے بازار میں بنے بنائے ملتے ہیں لیکن سمجھ دار اور سلیقہ مند بچیاں اس کو گھر میں بھی تیّار کر لیتی ہیں۔
کھانے کی میز بہت زیادہ توجّہ طلب ہوتی ہے اگر بہت بڑھیا قیمتی میز کرسی اور سائڈ بورڈ ہے تب بھی سائڈ بورڈ اور میز کے وسط میں آرائش کی ضرورت ہے۔ سائڈ بورڈ کے اوپر خوبصورت سے چھوٹی پلیٹ رکھ کر سجاوٹ کی اشیاء رکھ دی جاتی ہیں اب ٹوتھ پک اور دوسری طرف ٹشو پیپر رکھنے والی آرائشی اشیاء سے اس کی سجاوٹ کریں تاکہ خوبصورتی کے ساتھ کارآمد بھی رہے۔
اگر معمولی میز کرسیاں ہوں تو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ کرسیوں کے سائز کی گدیاں آپ گھر پر تیّار کرلیں اور کرسیوں پر رکھ دیں میز کے لئے معمولی لیکن بعض خوبصورت پرنٹ کا کپڑا خرید لیں اور ایک ٹرانسپیرنٹ پلاسٹک کافی ہوگا۔ نیچے کپڑا بچھا کر ٹرانسپیرنٹ پلاسٹک ڈال دیجئے آپ کی میز حسین ترین لگے گی میز اگر بہت چھوٹی ہو تو پھیلے ہوئے گلدان کو درمیان میں رکھیں اور پتلی ہو تو اوپر اٹھے ہوئے چھوٹے گلدان میں ایک پھول اور چند پتّے لگا دیں یہ کافی ہے اگر آپ کو جاپانی طرز آرائش سے دلچسپی ہے تو اکیبانہ طریقے سے میز سجائیے۔
کچن کی صفائی تو آدھی جان کرتی ہوگی۔ آپ تھوڑی سی سجاوٹ بھی کرلیں یہاں بھی تصاویر اور سجاوٹی اشیاء رکھ دیں تو بہت سکون کا احساس ہوگا اور یہاں یہ خیال ضرور رکھیں کہ ہر چیز برتن وغیرہ ڈھکے ہوئے ہیں۔
اب آپ اپنے ابّو امّی کے کمرے کی طرف آیئے یقیناً امّی ابّو نے خود ہی اپنا کمرہ سجا رکھا ہوگا۔ لیکن آپ یہ ضرور دیکھئے کہ بیڈ کور ٹھیک سے بچھا ہے بہت دنوں میں ایک سی ترتیب ہو تو کمرے کی ترتیب بدل دیجئے ابّو کی

پڑھنے کی میز اُن کی ایش ٹرے اور کوڑے کی باسکٹ کی صفائی کا بہت خیال رکھیئے۔

ہم آپ کو بہت دلچسپ بات بتاتے ہیں کوڑے کی باسکٹ سے بھی صفائی اور آرائش کا کام لیا جاسکتا ہے۔ اوّل تو بازار میں بڑی خوبصورت وضع کی کوڑے کی باسکٹ ملتی ہے کوئی مکان جیسی ہوتی ہے کوئی اور کسی وضع کی ہوتی ہے مگر یہ باسکٹیں مہنگی ہوتی ہیں اگر امّی یہ باسکٹیں نہ لائیں تو دل بُرا کرنے کی ضرورت نہیں گھر میں جو گھی کے ڈبے خالی ہوں ان پر کمرے کی مناسبت سے کوئی رنگ کر دیجئے کوئی پھول پینٹ کر دیجئے اور اس طرح کہ ان کا کہیں سے بھی ڈبے کا رنگ نظر نہ آئے بس یہ بھی بہت خوبصورت لگیں گے۔ ایک ڈرائنگ روم میں ایک ہر کمرے میں اور ایک کچن میں رکھ دیں کمرہ کوڑے کی باسکٹ تک سے خوبصورت لگے گا کہیئے کیسی ترکیب بتائی!

اب بھئی بڑا سخت مرحلہ آرہا ہے۔ آپ کے اپنے کمرے کی سجاوٹ اور آرائش ہے بھئی امّی ابّو کے کمرے میں تو زیادہ دخل نہیں تھا لیکن یہ تو آپ کا اپنا کمرہ ہے اس میں آپ کے ساتھ آپ کے چھوٹے بہن بھائی بھی رہتے ہیں یہ لوگ بڑی گڑبڑ بھی کرتے ہیں۔ کبھی کھلونے پھیلاتے ہیں۔ کبھی کاغذ کاٹ کاٹ کر ڈال دیتے ہیں کہیں کیرم کی گوٹیں پڑی ہوئی ہیں۔ اور پھر یہ بھی ہوتا ہے کہ آپ کی سہیلی ملنے آئی ابّو اپنے دوستوں کے ساتھ ڈرائنگ روم میں ہیں اب آپ کو اسے اپنے کمرے میں بٹھانا ہے اور کمرے کا یہ حال ہے۔

اپنا کمرہ ہر وقت ٹھیک ٹھاک رکھیئے اور سجائیے۔ صبح اسکول جانے سے پہلے بستر تہہ کر کے یا پھیلا کر بیڈ کور بچھا کر جایئے کپڑے میلے کپڑوں کے خانے میں ڈالیئے، دُھلے کپڑے اپنی الماری کے ہنگر پر ٹانگیئے اپنے کمرے میں چھوٹا سا کھلونوں کے لئے ایک ریک بنا لیجئے جس میں گھر میں کھیل کی ساری چیزیں سجی ہوئی ہوں۔ اس میں کیرم کی گوٹیں کھلونے اسکریبل اور آپ کے اور دوسروں کے کھیل سجے ہوں اور کھیلنے کے بعد فوراً ہی رکھ دیا جائے۔

اپنے کمرے کے دروازے پر بچوں کی خوبصورت سی ایک تصویر ٹانگ دیجئے، بازار میں بہت ملتی ہیں دیواروں پر خوبصورت مکی ماؤس یا شرارتی سی تصویر لگا دیجئے۔ خالی بوتلوں میں پھول اور بیلیں لگائیے۔ اسکول کی کتابیں اپنی الماری میں یا میز پر سجا کر رکھ دیں۔

ایک بات کا اور خیال رکھیئے کہ آپ کا کمرہ بھی رنگوں کی مناسبت سے ہونا چاہیئے اس میں اگر قالین نہ ہو تو امّی سے کہہ کر ایک میٹنگ ضرور ڈلوا دیجئے تاکہ آپ کمرے کے فرش کو استعمال کر سکیں اور اگر امّی ابّو قالین بچھا دیں تب تو بہت اچھا ہو آپ کا کمرہ کھیلنے کے لئے اور سجانے کے لئے بہت ہی خوبصورت بن سکتا ہے۔

اپنی پڑھنے کی میز بھی سجا کر رکھیئے پرانی کتابیں نکال دیجئے کاغذ صاف ستھرا چڑھائیے بستے کو بھی ایک

طرف میز کے رکھ دیجئے میز پر ایک گلدان ضرور رکھئے اگر آپ کی پڑھنے کی میز میں درازیں ہوں تو اپنی پنسلیں اور چھوٹی موٹی چیزیں درازوں میں ڈالیئے اور یہ درازیں صاف رکھیئے۔

جو کاغذ پرانے اور بیکار ہوں انہیں کمرے میں کبھی نہ پھیلایئے ان کو اپنی بنائی ہوئی خوبصورت سی کوڑے کی باسکٹ میں ڈال دیں۔ ہر چیز اپنی جگہ خوبصورتی سے رکھی ہو تو آپ کا اپنا کمرہ ڈرائنگ روم سے اچھا لگے گا۔ اور آپ سہیلیوں کو لے کر مزے سے بیٹھ سکتی ہیں۔

جو آپ کے پڑھنے کی میز ہے۔ اس کے ساتھ کرسی بھی ہوگی اس کا گدّا بھی خود تیار کر لیجئے اور سجانے کے لئے کرسی کا بیک ضرور کاڑھ کر یا پینٹ کر کے لگایئے اس سے کمرے کی سجاوٹ بڑھے گی۔

بچّو! صاف ستھرا کمرہ رکھنے سے صفائی ترتیب اور خوبصورتی کی عادت پڑ جائے گی اور آپ کی دوسری سہلیاں بہت متاثر ہوں گی۔ اس لئے اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کو بھی سمجھایئے کہ وہ کمرہ خراب نہ کریں۔ بلکہ ان سے کہیں کہ وہ بھی کوئی چھوٹی پیاری سی چیز بنائیں تاکہ کمرہ اچھا لگے پھر جب چھوٹا بھائی یا بہن کوئی آرائشی چیز بنائے کوئی تصویر یا کوئی پھول یا کوئی چیز آپ اسے کمرے میں سجا دیجئے اور اسے بتایئے کہ اس کا کمرہ کتنا پیارا لگ رہا ہے اس سے چھوٹے بہن بھائیوں کو اپنی اہمیت کا احساس ہوگا اور وہ کبھی کمرہ خراب نہیں کریں گے۔

اب آخر میں ایک چیز رہ گئی ہے وہ ٹی وی لاؤنج ہے بہت چھوٹے گھروں میں جہاں ٹی وی رکھنے کا الگ کمرہ نہیں ہوتا وہاں ڈرائنگ روم میں رکھ دیا جاتا ہے اس میں کوئی مشکل نہیں اس کا ایک خوبصورت کور سی کر لگا دیں اور ٹی وی پر کوئی سجاوٹی چیز رکھ دیں یا امّی ابّو کے کمرے میں رکھا ہے تب بھی کوئی مسئلہ نہیں لیکن اگر گھر میں ایک الگ اضافی کمرے ٹی وی لاؤنج کے طور پر استعمال ہوتا ہے تو پھر آپ کو بڑی محنت کرنی ہوگی اکثر گھروں کا وسطی کمرہ ٹی وی لاؤنج کے طور پر استعمال ہوتا ہے ٹی وی تو آپ اسی طرح سجا دیں گی البتہ کمرے میں ٹی وی دیکھنے کے لئے فرش یا قالین یا میٹنگ استعمال کی جارہی ہو تو گدّے اور کشن آپ کو ہی تیّار کرنے ہوں گے اور یہ بھی آپ کی عقلمندی ہوگی کہ آپ کس طرح خوبصورتی سے ٹی وی لاؤنج سجاتی ہیں یہ خیال بھی رہے کہ یہ واحد کمرہ ہے جہاں کئی گھنٹے سارے افرادِ خانہ گزارتے ہیں تو اس کے لئے فرشی نشست کیسی رہے گی اور کس طرح اسے سجائیں ڈرائنگ روم کی آرائش کے برخلاف یہاں کشن وغیرہ رکھے جا سکتے ہیں اب آپ کا گھر سج گیا ہے۔ جو بھی آتا ہے وہ بچیوں کی ذہانت ذوق اور سمجھ کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

اِک نیا کمال
اِک نیا معیار
نئے دور کی نئی پینسل
Goldfish
DELUXE PENCIL
شاہ سنز لمیٹڈ
ڈی ۸۸-ایس-آئی-ٹی-ای-کراچی
فون: ۲۹۳۴۵۱، ۲۹۳۴۵۲

Midas Khi

افغانستان کے پس منظر میں لکھا ہوا سلسلہ وار ناول

ایف ملک سلیم

ری قسط

# پاسبان

میں دوسرے افغان مجاہدین کے ساتھ ایک کیمپ میں قید تھا۔ جورگن نام کا ایک فوجی مجھ سے یہ راز معلوم کرنے آیا کہ جلال آباد کا پُل کس نے تباہ کیا تھا۔ اس مقصد کے لیے اس نے مجھ پر اتنا تشدد کیا کہ میں بے ہوش ہوگیا۔ دوسری جانب کے جی بی کا ایک ایجنٹ راک آرکنڈ افغان مجاہدین کی سرکوبی کے لیے قندھار پہنچ چکا تھا۔ اُسے ابلال، ارفع اور ارمغان کی تصویریں دکھائی گئیں۔ یہ تینوں روسیوں کے لیے دردِ سر بنے ہوئے تھے۔ ایک روسی فوجی ایڈرک مذہبِ اسلام قبول کرکے مجاہدین کا ساتھ دے رہا تھا۔ راک آرکنڈ کو اس پر شک ہوا اور اُس نے اُسے گولی مار دی۔ وہاں جب میں ہوش میں آیا تو جورگن میرے سر پر بدستور موجود تھا۔ دوسری طرف ابلال، ارفع اور ارمغان نے فیصلہ کیا کہ ایڈرک کی موت کا بدلہ لیا جائے گا۔ اگلے دن کوڑے کے ڈرم سے ایڈرک کی مسخ شدہ لاش ملی اور تمام اخباروں میں شہ سُرخیوں کے ساتھ یہ خبر چھپی۔ اِدھر اسپتال میں ایک ڈاکٹر کی مدد سے، جو میرا ہمدرد بن گیا تھا، میں فرار ہونے والا تھا ---- کہ یکایک جورگن آموجود ہُوا، لیکن میں اُسے جُل دے کر بھاگ نِکلا۔ روسی جاسوس کتوں کے ساتھ میری تلاش میں نکل کھڑے ہوئے، لیکن میں بحفاظت اپنے ٹھکانے تک جا پہنچا۔ ابلال، ارفع اور ارمغان، راک کو قتل کرنے کے لیے چھپ کر اس کے کمرے میں داخل ہوئے مگر راک ان کی باتوں سے اتنا متاثر ہُوا کہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوگیا اور اُس نے عہد کیا کہ وہ روسیوں کے خلاف جدّ و جہد میں مجاہدین کا ساتھ دے گا۔ اس کا نام حبیب بجر رکھا گیا۔ ہم پانچوں مل کر مجاہدین کے سب سے بڑے دشمن وائزمین کو ٹھکانے لگانے کی منصوبہ بندی کر رہے تھے کہ اچانک ٹیلی فون کی گھنٹی بجی اور حبیب بجر نے اطلاع دی کہ مکان کو چاروں طرف سے گھیر لیا جا چکا ہے۔ میں نے حواس برقرار رکھتے ہوئے باہر موجود ارفع اور ارمغان کو ٹارچ کے ذریعے سگنل دیا۔ کچھ ہی دیر میں انھوں نے باہر سے اور ہم نے اندر سے روسی فوجیوں پر حملہ کر دیا۔ بہت جلد میدان صاف ہوگیا اور ہم وہاں سے بحفاظت نکل آئے۔ پھر منصوبے کے مطابق ہم رات کی تاریکی میں تمام محافظوں کو زہریلی گیس کے ذریعے ٹھکانے لگا کر ماشیر تک جا پہنچے۔ ریوالور دیکھ کر وہ شدید خوفزدہ ہوگیا۔ ہم نے اُسے ٹیبل پر رکھا دُودھ پینے کی ہدایت کی۔ جب وہ دُودھ پی گیا تو یہ سُن کر اُس کی حالت غیر ہوگئی کہ اس میں زہر تھا۔ ہم نے اس سے سارے کا غذات اور اہم

فائلیں حاصل کیں اور ایک شیشی زمین پر پھینک کر کہا کہ اسے چاٹ کر اپنی جان بچالو۔ جب وہ زمین پر بکھری دوا کُتّے کی طرح چاٹ گیا تو میں اس کے قریب آکر بولا: "زہر یہ تھا جو تم نے چاٹا" میری بات سُن کر ماشیر کی باقی آدھی جان بھی نکل گئی۔ دوسرے دن اخبارات میں کابل کے ہولناک واقعات کے ساتھ حبیب کی زندہ یا مردہ گرفتاری پر دس ہزار روبل انعام کی خبر چھپی۔ ہم نے ایک منصوبہ ترتیب دیا اور قندھار میں واقع خفیہ روسی اسلحہ خانے کے انچارج برنیف کو قابو میں کر کے اس کی مدد سے اسلحہ خانے میں داخل ہوگئے۔ وہاں ہم نے ابلال کی ایجاد کردہ حیرت انگیز دوا کا اسپرے کر کے سب لوگوں کو ٹھکانے لگا دیا۔ آخر میں مَیں نے ریوالور نکالا اور برنیف کی کنپٹی سے لگا دیا۔

برنیف میری طرف خوف سے دیکھنے لگا..... اس کی حالت غیر ہو رہی تھی... میں نے ٹرائیگر پر زور دیا اور پھر زوردار دھماکے کے ساتھ اس کی کھوپڑی الگ ہوگئی۔

---

اللہ کے فضل سے ہمیں ہر جگہ پر کامیابی حاصل ہو رہی تھی۔ ہمارے افغان ساتھیوں نے اسلحہ حاصل کر لیا تھا اب وہ اور بھی جوش و جذبے کے ساتھ روسی ساخت کے اسلحے سے روسیوں ہی کو نشانہ بناتے تھے۔ پورے ملک میں ہلچل سی مچ گئی تھی..... روسیوں کو مسلسل ناکامی انتہائی گراں گزر رہی تھی۔

اور پھر وائر مین اپنے پروگرام سے پہلے ہی ماسکو پہنچ گیا تھا۔ اور اگلے دن جلال آباد۔ اب روسیوں کے حوصلے بلند ہو گئے تھے اور وہ لوگ تیز رفتاری کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ اگلے دن نماز کے بعد ہم نے اپنے اس مشن میں کامیابی کے لئے گڑگڑا کر دُعا کی.... اور پھر رات کے اندھیرے میں جلال آباد پہنچ گئے۔

وسیع چٹیل میدان میں دُور دُور تک مٹّی کے ٹیلے نظر آرہے تھے۔ چاند بادلوں کی اوٹ میں کہیں چُھپ گیا تھا۔ دُور چمکتے ہوئے تارے نظر آرہے تھے۔ اس کی وجہ وہ روشنی تھی جو چاروں سمت پھیل رہی تھی۔

کچھ ہی دیر بعد ہم لوگ تاروں سے تقریباً دو فرلانگ کے فاصلے پر کھڑے تھے۔ میں نے دھیرے سے سرگوشی کے لہجے میں کہا، "اب مشکل مرحلہ شروع ہو رہا ہے.... ہمارے لباس چونکہ کالے ہیں اس لئے وہ باآسانی نہیں پہچان سکیں گے۔ جب بھی تم لوگوں پر جیسے ہی روشنی آئے مُنہ ہاتھوں سے ڈھانپ لینا.... یا اللہ ہمیں کامیاب فرما!"

میں نے بات مکمّل کی اور لیٹ کر کہنیوں کے بل آگے بڑھنے لگا۔ باقی بھی میرے پیچھے آنے لگے۔ دھیرے دھیرے ہم لوگ فاصلہ طے کر رہے تھے۔ کہنیاں رگڑ رگڑ کر چھل گئی تھیں، سینے میں شدید درد ہو رہا تھا۔

پاؤں شل ہو رہے تھے۔ لیکن روسیوں کو خاک میں ملانے کا حوصلہ ہمیں آگے بڑھنے پر مجبور کر رہا تھا۔ اب مشکل مرحلہ درپیش تھا۔ ایک طرف تو سرچ لائٹ چاروں طرف گھوم رہی تھی اور دوسری طرف وہ تار تھے جنہیں ہم نے عبور کرنا تھا۔

اب لائٹ ہمارے قریب آرہی تھی۔ جیسے ہی لائٹ آئی ہم نے مُنہ ڈھانپ لئے..... اندر ہی اندر دل خوف سے لرز اُٹھے تھے۔ ڈر تھا کہ کہیں روشنی میں ہم لوگ نظر نہ آجائیں۔ اللہ اللہ کر کے ہم آگے بڑھے اور خاردار تاروں کے پاس پہنچ گئے۔ پھر روشنی آئی اور ہم نے پہلے والا عمل دہرایا..... ارمغان نے پلاس ہاتھ میں لیا اور تار کاٹنے لگا۔ جیسے ہی پہلا تار کٹا "زن"

کی آواز گونجی۔ مگر یہ آواز تیز ہوا کی وجہ سے سنائی نہ دی۔ اور پھر دو تاروں کو کاٹنے کے بعد ہم اس علاقے میں داخل ہوگئے تھے۔ جو ہمارے جہاد کا ایک خاص حصّہ تھا۔

ہم آگے بڑھنے لگے۔ اچانک لائٹ آرفع پر پڑی اور وہ چونکا..... ہم لوگ دوسری سمت گر گئے۔ "ارے یہ کیا؟" ایک آواز سنائی دی۔ آرفع کھڑا ہوا اور تیزی سے آگے بھاگنے لگا۔ اس کے قدموں کی آواز گونج رہی تھی۔ ہم اسے روک نہیں سکتے تھے۔ کیونکہ اگر ہم سامنے آتے تو موت یقینی تھی۔ اور اس طرح ہم وائز مین تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ ہمیں اپنے ملک کی آزادی یا آرفع میں سے ایک کو چُننا تھا۔ اور پھر ہم نے اپنے ملک کو چُن لیا تھا۔

"پکڑو اس کو۔" آواز پھر سنائی دی۔ آرفع تیزی سے آگے بھاگ رہا تھا۔ اور ہم لوگ اس کی جان کی سلامتی کے لئے دعا کرتے ہوئے تیزی سے دوسری سمت بھاگ رہے تھے۔

"تڑ...... تڑ...... تڑ...... مشین گن نے مُنہ کھول لیا گولیاں آرفع کی پُشت میں پیوست ہوگئیں۔ اس کی دل ہلا دینے والی چیخ سنائی دی اور پھر وہ زمین پر آگرا۔

"اللہ اکبر"۔ اس نے زور سے کہا اور اسی لمحے وہ خالقِ حقیقی سے جا ملا۔ اچانک آواز گونجی۔ شاید کوئی مائیک پر اعلان کر رہا تھا۔ "تم سب لوگ پورے شہر پر سخت پہرہ رکھو۔ لائٹ مین کا کہنا ہے کہ اس نے چار سائے اور بھی بھاگتے ہوئے دیکھے ہیں.... اُن سب کو جلد سے جلد پکڑنا ہے..... سمجھے تم لوگ.... ہر طرف ناکہ بندی کرلو...... وہ ابھی زیادہ دور نہیں گئے ہوں گے اور ہاں شکاری کتے ان کی پیچھے لگا دو اور ہاں اس مرنے والے خبیث کو خونخوار کتوں کے ڈبے میں چھوڑ دو تاکہ مرنے کے بعد بھی اس کو اذیّت پہنچے۔"

ہم لوگ بُری طرح بھاگ رہے تھے۔ ہمارے سانس پھول گئے تھے۔ اور اب بھاگنے میں دُشواری ہو رہی تھی۔ آدھے گھنٹے تک مسلسل بھاگنے کے بعد ہم لوگ ایک جگہ رُک گئے۔

"آرفع ...... شہید ہوگیا"۔ ارمغان نے خلاؤں کو گھورتے ہوئے کہا۔ "اس جدّوجہد میں سب ہی کو شہید ہونا ہے۔ بس دُعا کرو کہ ہم لوگ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں"۔ میں نے ان کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے کہا۔ میں انہیں آرفع کی موت کا احساس نہیں دلانا چاہتا تھا۔ اچانک ایک طرف سے کتوں کے بھونکنے کی آواز سنائی دی۔ آواز رفتہ رفتہ قریب آتی جارہی تھی۔ "بھاگو"۔ میں چلایا۔ ہم لوگ پھر بھاگنے لگے۔ ہم میں ایک انجانی قوت آگئی۔ ہمارے پیچھے موجود تھیلے جن میں اسلحہ رکھا ہوا تھا بری طرح ہل رہے تھے۔ "ہمیں اب کسی غار میں چھپ جانا چاہیئے"۔ حبیب نے سانس پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ اسے قریب ہی ایک غار نظر آیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ہم غار میں موجود تھے ہم نے اندر سے بڑا سا پتھر رکھ کر منہ بند کر دیا۔ شکاری کتوں کی آوازیں قریب آتی جارہی تھیں۔ اور پھر شکاری کتے

بالکل قریب آ گئے اور غار کے پاس پہنچ کر بھونکنے لگے۔ اب ہمارے چہرے تن گئے خوف ہمارے چہروں پر چھا گیا تھا۔ اور ہم نے شین گن پر اپنی گرفت مضبوط کر لی۔

شکاری کتے اب اور تیزی سے بھونک رہے تھے۔ فوجیوں کے قدموں کی چاپ دھیرے دھیرے قریب آ رہی تھی۔

ارے یہ کتے اس طرف کیوں بھونک رہے ہیں..... ضرور وہ لوگ اندر چھپے ہوئے ہیں"۔ ایک رُعب دار آواز سنائی دی۔

ہمیں اپنے جسموں سے روح قبض ہوتی ہوئی محسوس ہوئی۔ خوف کے مارے پورا بدن پسینے میں نہا گیا۔ خاموش ماحول میں دل کی دھڑکن صاف سنائی دے رہی تھی۔

" اوہ یہ تو کالی بلی ہے... ضرور یہ اسے ہی دیکھ کر بھونک رہے ہوں گے۔ چلو آگے چلیں کہیں وہ لوگ دُور نہ نکل جائیں" وہی آواز پھر سنائی دی۔ لیکن آواز جھلائی ہوئی تھی۔

ہم نے سُکھ کا سانس لیا۔ لیکن ہمیں اَب بھی ایک خطرہ تھا۔ ایک انجانا خطرہ جو دھیرے دھیرے ہماری طرف بڑھ رہا تھا

---

ایک پورا دن ہم نے اسی غار میں گزارا۔ ہم چاہتے تھے کہ وہ لوگ ہمیں تلاش کریں اور یہ سمجھ لیں کہ ہم لوگ بھاگ گئے۔ اسی میں ہماری بھلائی تھی۔ غذا کے بنڈ ڈبوں سے ہم نے اپنی بھوک مٹائی اور اگلی رات کا پلان مُرتّب کرنے کے بعد غار سے باہر نکلے۔

نقشے کے مطابق وائزمین تک پہنچنے کا ایک ہی راستہ تھا۔ اور وہ تھا وہ تالاب جو باہر سے بہتا ہوا اس کے محل تک پہنچتا تھا۔ راستے میں ہم کسی خطرے سے دوچار نہیں ہوئے اور تالاب تک پہنچ گئے.... رات کے دو بج رہے تھے۔ تالاب میں اُترنے سے پہلے ہم نے آکسیجن کے بھرے ماسک چڑھائے اور پانی میں کود پڑے۔ ٹھنڈا پانی ہمارے جسم میں گھُس سا گیا۔ اور میں کانپ اٹھا۔ مجھے معلوم تھا کہ باقی لوگ بھی اسی کیفیت سے دوچار ہوں گے۔ چھوٹی رائفل ہمارے ہاتھوں میں تھی۔ ہم کنارے پر تیر رہے تھے۔

اچانک میں چونکا۔ سامنے سے مگرمچھ تیرتا ہوا آ رہا تھا..... مجھے حیرت ہوئی اور پھر یہ خیال ذہن میں آیا کہ وائزمین نے اپنی حفاظت کا یہ اقدام بھی خود ہی کیا ہو۔ لمحہ بہ لمحہ مگرمچھ قریب آ رہا تھا۔ میں نے رائفل تان لی۔ مجھے خوف تھا کہ اگر یہ گولی اسے نہ لگی تو پھر ہمارے لئے خطرہ پیدا ہو سکتا ہے۔ مگرمچھ منہ کھولے قریب آ چکا تھا۔ میں نے نشانہ لیا اور گولی اس کے منہ سے نکل گئی وہ الٹا پلٹا اور نیچے کی طرف جانے لگا۔ ہلکا ہلکا خون اس کے منہ سے نکل کر پانی کو لال کر رہا تھا۔

میں نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا۔ اور پھر ہم لوگ وہاں پہنچ گئے۔ جہاں سیڑھیاں تھیں۔ پہلے میں اُوپر چڑھا۔ بڑے سے چبوترے پر فوجی پہرہ دے رہے تھے۔ سامنے ایک دروازہ تھا جو یقیناً وائزمین کے کمرے تک جاتا ہوگا۔ میں نے ایک پتھر اٹھایا اور دور پھینک دیا۔ سب اس کی طرف متوجّہ ہو گئے۔ موقع اچھا تھا۔ ہم لوگ اوپر چڑھ کر پیتے ہوئے پلر کی اوٹ میں الگ الگ جگہوں پر چھُپ گئے۔

"کوئی نہیں ہے" ایک نے کہا اور سب پہرہ دینے لگے۔ ایک فوجی جیسے ہی میرے قریب سے گزرا میں نے زور دار ہاتھ اس کی کنپٹی پر مارا اور وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔

اچانک پیچھے سے فائر ہوا۔ اگر میں جھکتا نہیں تو خون میں لت پت تڑپ رہا ہوتا۔ ادھر میں پلٹا اور رائفل کا رُخ اس کی طرف کر کے فائر کر دیا اور وہ زمین پر جا گرا۔

اچانک سائرن گونج اٹھا۔ سب ہی متوجّہ ہو گئے اور پھر..... فائرنگ کی آوازوں سے زمین تھرا اٹھی۔ وہ لوگ بھی محفوظ نہیں تھے اور ہم بھی نہیں۔ اس لئے خطرہ دونوں طرف تھا۔ روسی فوجیوں کی چیخیں فضا میں گونج رہی تھیں۔ اچانک مشین گن سے گولیاں نکلیں اور اوٹ لیتے ہوئے ارمغان کے سینے اور پیٹ میں جا لگیں۔

میں بوکھلا سا گیا۔ لیکن اپنی جگہ سے نہ ہٹ سکا۔

ارمغان زمین پر اوندھا پڑا تھا اور پھر اس کے منہ سے خون کی اُلٹی ہوئی اور آنکھیں پتھرا سی گئیں۔

فائرنگ بدستور ہو رہی تھی۔ اور ہم روسی فوجی جہنّم رسید کر رہے تھے۔ اور پھر میں پلر کی اوٹ سے نکلا اور سامنے کھڑے فوجیوں پر مشین گن کا برسٹ مارا۔ چیخوں کا بازار گرم ہو گیا۔ یکایک ایک فوجی بھاگتا ہوا آیا۔ حبیب نے اس پر فائر کیا۔ حبیب کا فائر خطا گیا۔ اور فوجی نے اپنی رائفل سے حبیب کا نشانہ لیا۔ حبیب پیچھے پلٹا لیکن گولی اسی لمحے اس کے پیٹ میں جا لگی تھی۔ آبلال نے فوراً فائر کیا ورنہ وہ اور بھی گولیاں برسا سکتا تھا۔

میں نے حبیب کی طرف دیکھا۔ "میں ٹھیک ہوں"۔ اس نے دھیمی مسکراہٹ کے ساتھ کہا اور اپنے پیٹ کو پکڑ لیا جہاں سے خون بری طرح بہہ رہا تھا۔ اچانک وائزمین دروازہ کھول کر باہر نکلا۔ ہم اسے دیکھتے ہی پہچان گئے کیونکہ ہم نے اس کی تصویر دیکھی ہوئی تھی "گڈ، بہت اچھے"۔ اس نے ہمیں دیکھ کر تالیاں بجائیں۔ "کتے، کمینے"، حبیب چلاتا ہوا آگے بڑھا۔ وائزمین پیچھے ہٹا اور پھر اس نے ریوالور نکال کر فائر کیا۔ گولی بھاگتے ہوئے حبیب کے جبڑے پر لگی اور وہ زمین پر گر گیا۔

"آہ ..... آہ" اس نے سسکیاں لیں۔

"میں ناقابلِ شکست ہوں"۔ وائزمین نے مسکرا کر کہا۔

"تم لوگ سامنے آجاؤ" اس نے ہم دونوں کی طرف ریوالور تانتے ہوئے کہا۔ اَبلال میری طرف دیکھنے لگا۔ میں نے اُسے جانے کا اشارہ کیا اور خود بھی سامنے آگیا۔

"بہت خوب"، وہ پھر مسکرایا۔

" اچانک ایک فوجی خون میں لت پت اٹھا اور اس نے فائر کھول دیا۔ اس اچانک حملے سے ہم بھی نہ بچ سکے۔ ایک گولی میرے پیر میں جا لگی..... ابلال جو خود کو بچانے کے لئے گرا تھا مگر گولی کی پیٹ میں آگیا۔ گولی اس کے دل کے پاس لگی۔

"یہی انجام ہوتا ہے تم جیسوں کا" ابھی وائزمین اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ سسکتا ہوا جیب آگے بڑھا اور مشین گن کا مُنہ کھول دیا۔ لاتعداد گولیاں وائزمین کے جسم میں جا لگیں۔ وہ فوراً تڑپا اور ساکت ہوگیا۔ لیکن اسی لمحے جیب بھی دنیا سے کوچ کر چکا تھا۔ میں لنگڑاتا ہوا اس کے پاس پہنچا۔ "میرے بھائی .... تو ..... میں نے اسے گلے لگاتے ہوئے کہا۔ "میں شہید ہو رہا ہوں بھائی ..... میں شہید .........."

اَبلال اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ دم توڑ گیا۔

"نہیں میرے بھائی" میں اس کے اُوپر گر گیا اور رونے لگا۔ میرے چہرے پر اس کا خون لگ گیا تھا۔

اچانک قدموں کی آواز گونجی میں نے سر اٹھایا اور چونک پڑا۔ میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں.....سامنے زندہ وائزمین کھڑا تھا۔ میں نے دوسری طرف دیکھا تو پہلے والا وائزمین مَرا ہوا نظر آیا..... "وہ میرا ملازم تھا۔ میرے ہی میک اَپ میں تھا۔ تمہیں ماننا ہوگا کہ وہ ایک اچھا اداکار تھا" وائزمین مسکرایا۔

میرے پاؤں کا درد بڑھ رہا تھا۔ میرے آس پاس لاشوں کا انبار تھا۔ میں آگے بڑھنے لگا ....."دیکھا تم لوگ ہمیشہ ہمارے قدموں میں ہی رہو گے"۔

وائزمین نے حقارت سے کہا اور پھر اس نے میرے مُنہ پر اپنا بھاری پاؤں برسانا شروع کر دیا۔ میں لیٹ گیا اُٹھنے کی مجھ میں ذرا بھی طاقت نہیں تھی۔ اچانک وائزمین میرے اوپر جھکا اور وہی لمحہ تھا جب میں نے اس کی گردن مضبوطی سے دبالی..... میری گرفت سخت ہوتی جا رہی تھی۔

اور پھر وائزمین خوف زدہ سا ہو گیا تھا..... اس نے میرے پیٹ میں مُکّے برسائے لیکن انجانی قوّت نے گرفت اور بھی مضبوط کر دی۔

وائزمین کا دم گھٹنے لگا..... وہ مجھے مار بھی رہا تھا لیکن میں اپنی پوری قوّت صرف کر رہا تھا۔ اس کا چہرہ لال ہوگیا۔ آنکھیں باہر کو اُبلنے لگیں، وہ کھانس بھی نہیں پا رہا تھا۔ اور پھر اس کا جسم ڈھیلا پڑ گیا۔ میں نے جب بھی گردن نہیں چھوڑی...

میں زمین پر گر گیا..... میری گرفت کمزور پڑ گئی اور وائزمین کا بے جان جسم لڑھک کر گر پڑا...

میں اٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔ اور پھر بے جان ہاتھوں سے ہمت صرف کر کے اُٹھ گیا۔ میرے سامنے میرے اپنوں اور دشمنوں کی لاشیں پڑی ہوئیں تھیں۔

"رومیو... تم لوگوں کا زوال اب شروع ہو گیا...... یہ وطن کے پاسبان شہید ہوئے تو کیا ہوا...... ان کے مرنے سے اور بھی سربلند ہوں گے اور تم سب کو ایسی ہی عبرتناک سزا دیں گے۔..... اور پھر تم لوگ بھاگ کے کہاں جاؤ گے.... میں ابھی زندہ ہوں..... تم لوگوں کے ارادے خاک میں ملا دوں گا" میں چلایا۔

میری آنکھوں سے آنسو برس رہے تھے۔ لیکن یہ غم کے نہیں خوشی کے آنسو تھے۔ شیطان کو ختم کرنے کی خوشی میں بہائے ہو آنسو....

صبح کا سورج طلوع ہو رہا تھا۔ کرنیں پھیل رہی تھیں۔ میں سورج کی کرنوں کو دیکھنے لگا۔ اور پھر میرے لب پکار اُٹھے۔

"ایک دن اسی طرح غلامی کی تاریکی کے بعد آزادی کا سورج طلوع ہو گا..... آزادی کا سورج جو ہم سب کو جینے کی ایک نئی نوید دے گا اور اس آزادی کو حاصل کریں گے وطن کے یہ پاسبان... پاسبان.... پاسبان"

---

## سب سے چھوٹا عُضلہ

انسانی جسم میں سب سے چھوٹا عُضلہ کان کے اندر ہوتا ہے جو کان کی ہڈی کو کنٹرول کرتا ہے۔ یہ عُضلہ سماعت کی صلاحیت پیدا کرنے میں نہایت ضروری پُرزے کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کی لمبائی ایک انچ کا ۲/۱ حصہ ہے۔

## لانگ مارچ

چینی رہنما ماؤزے تُنگ نے چیانگ کائی شیک کے خلاف اکتوبر ۱۹۳۴ تا اکتوبر ۱۹۳۵ء احتجاجی لانگ مارچ کیا تھا۔ اِس لانگ مارچ میں ایک لاکھ افراد شریک تھے۔ لانگ مارچ کے شرکاء نے نو ہزار چھ سو چھپن کلومیٹر کا فاصلہ طے کیا۔ اتنے طویل فاصلے کو طے کرنے میں تین سو اڑسٹھ دن لگے۔ اس دوران ماؤ اور اُن کے رفقاء نے اٹھارہ پہاڑی سلسلوں اور چوبیس دریاؤں کو عبور کیا۔ اس دوران انھیں اپنے دشمنوں سے پندرہ لڑائیاں لڑنا پڑیں۔ جس کے نتیجے میں صرف پانچ ہزار افراد دیوارِ چین کے قریب ایک قصبے تک بحفاظت پہنچنے میں کامیاب ہوئے۔ اس لانگ مارچ میں جو لوگ زندہ بچنے میں کامیاب ہوئے ان کو چین میں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا

# جہاں قالین وہیں صفائی

# سنو وہائٹ

## ڈرائی کلیننگ انڈسٹری، کراچی

ہیڈ آفس:

عبداللہ ہارون روڈ فون: ۵۱۱۷۱۱

شاخیں:

- بہادر آباد فون: ۴۱۳۶۹۵
- جمشید روڈ 〃 ۴۱۱۳۰۲
- کھارادر 〃 ۲۲۵۸۰۳
- گارڈن روڈ 〃 ۷۲۲۴۳۳
- برنس روڈ 〃 ۲۰۳۳۳۶
- ڈیفنس فیز V فون: ۵۲۶۵۳۹
- امیر خسرو روڈ 〃 ۴۱۳۶۹۵
- راشد منہاس روڈ 〃 ۴۱۱۳۰۲
- حسن اسکوائر 〃 ۵۲۶۵۳۹

# سنو وہائٹ

## ڈرائی کلیننگ انڈسٹری

ہیڈ آفس: عبداللہ ہارون روڈ، کراچی فون ۵۱۱۷۱۱ ۵۲۶۵۲۹

زونل آفس: صدر بازار۔ راولپنڈی فون ۶۷۹۸۸ ۶۳۲۵۰

علی مُرتضیٰ

# آخری راستہ

دن تھک ہار کر رات کی گود میں جا سویا تھا! دُور دُور تک کسی شخص کا نام و نشان تک نہ تھا۔ پورے ماحول پر ایک سناٹا طاری تھا۔ سردیوں کی راتیں ویسے بھی بہت طویل ہوتی ہیں، لیکن اس بار کچھ زیادہ ہی سردی پڑ رہی تھی جس کی وجہ سے سرِ شام ہی دکانیں بند ہو جاتیں اور جگمگاتی ہوئی سڑکیں سُنسان ہو جاتیں ایسے ماحول میں بجلی کے بلب کی زرد روشنی میں سڑک پر چلتے ہوئے دو شخص پُراسرار لگ رہے تھے۔ انھوں نے خود کو سیاہ چادر میں لپیٹ رکھا تھا جس کی وجہ سے وہ خود بھی تاریکی کا حصّہ معلوم ہو رہے تھے۔ کبھی کبھی ہوا چل پڑتی تو سڑک پر پڑے کاغذ کے ٹکڑے اور سوکھے پتّے کھڑکھڑانے لگتے۔ کبھی کہیں دُور سے کسی کُتّے کے بھونکنے کی آواز سنّاٹے کا سینہ چیر کر رکھ دیتی۔

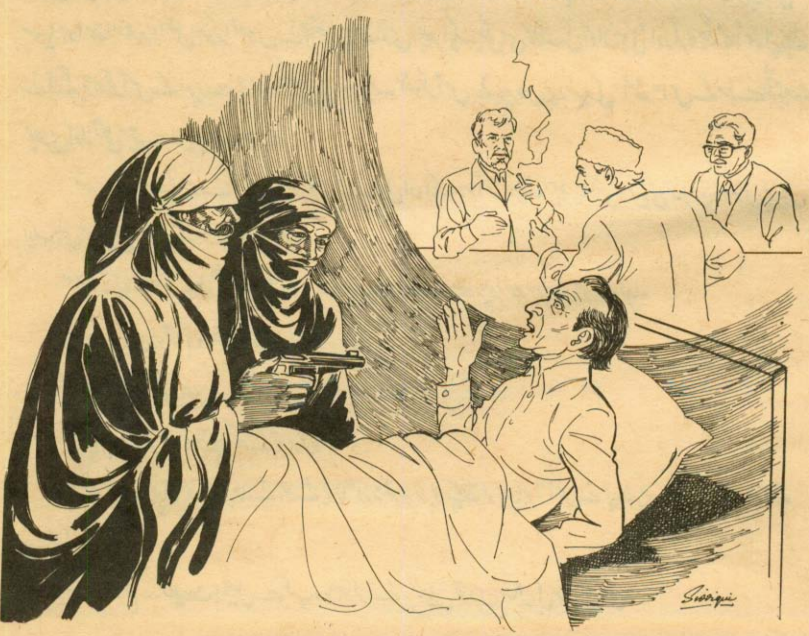

دونوں مختلف سڑکوں پر گھومتے ہوئے اب اُس علاقے میں داخل ہوگئے جو "طاؤس نگر" کے نام سے مشہور تھا یہاں امیر طبقہ آباد تھا جن کی شاندار کوٹھیوں پر ان کے نام چمک رہے تھے۔ دونوں ان ناموں کو پڑھتے ہوئے آگے بڑھتے جا رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انھیں کسی خاص مکان کی تلاش ہے۔ بالآخر وہ ایک کوٹھی کے سامنے رُک گئے جس کی پیشانی پر بڑے ہی خوبصورت انداز میں "ظفر لاج" چمک رہا تھا۔ چند لمحے تک انھوں نے اردگرد کا جائزہ لیا پھر دیوار پر چڑھ گئے۔

ہلکی سی دھمک کے ساتھ اُن کے پیر فرش سے ٹکرائے۔ تھوڑی دیر تک وہ کسی ردِّ عمل کا انتظار کرتے رہے لیکن بدستور سناٹا چھایا رہا۔

دونوں محتاط انداز میں آگے بڑھنے لگے اور صدر دروازے پر پہنچ کر رُک گئے۔ ان میں سے ایک نے اپنی جیب میں سے چابیوں کا گچھا نکالا اور آہستگی سے دروازے کے قفل میں آزمانے لگا۔ پانچویں کنجی گھماتے ہی ایک ہلکی سی کِلک کی آواز آئی اور دوسرے نے اس کے بازو کو پُرجوش انداز میں دبایا۔

اُس نے اپنے سر کو ہلکی سی جنبش دی اور دروازہ دھیرے دھیرے کھول کر اندر داخل ہوگیا۔ دوسرے نے بھی اُس کی تقلید کی۔ دونوں محتاط انداز میں چلتے ہوئے بالآخر ایک کمرے کے دروازے پر رُک گئے۔ سامنے مُسہری پر کوئی سویا ہوا تھا، اندر داخل ہو کر انھوں نے چٹخنی چڑھا دی۔ پھر ایک ہلکی سی کِلک کی آواز ہوئی اور کمرہ جگمگا اُٹھا۔ پہلے نے آگے بڑھ کر اُس کے اوپر سے لحاف کھینچ لی اور ایک ٹھوکر اُس نے پیروں پر رسید کی "اُٹھ" اس کے منہ سے غُرّاہٹ بھری آواز نکلی "تیرے دن پورے ہوگئے"۔

مُسہری پر سوئے ہوئے شخص نے ایک کروٹ لی اور ایک دم اُٹھ بیٹھا، پھر جونہی اس کی نظران دونوں پر پڑی ایک ہلکی سی چیخ اُس کے منہ سے نکل گئی۔

"چیختا کیا ہے!" پہلے شخص نے اُس کے چہرے کے سامنے ریوالور لہراتے ہوئے کہا۔

"کک... کون ہو تم؟" وہ خوف زدہ لہجے میں ہکلایا۔

"نہیں پہچانا!" وہ دھیرے سے ہنس کر بولا "آواز بھی بھول گئے!"

"کیا چاہتے ہو؟" وہ پیچھے کھسکتا ہوا بولا۔

"واقعی نہیں پہچانا" وہ سر ہلاتے ہوئے بولا "ورنہ تم یہ نہ پوچھتے لو پہچانو۔" اُس نے اپنے چہرے سے چادر ہٹاتے ہوئے کہا۔

"تت... تم... لطیف! جیل سے کب رہا ہو کر آئے۔ تمھیں تو دس سال کی سزا ملی تھی۔"

"ہاہاہا۔" لطیف نے ایک قہقہہ لگایا۔ "تم کیا سمجھتے ہو! بھاگ کر آیا ہوں، نہیں۔۔۔ نیک چال چلن کی وجہ سے حکومت نے میری آدھی سزا معاف کر دی ہے، کیا سمجھے؟"

"میرے پاس کیا لینے آئے ہو؟" وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولا۔

"حیرت ہے! جس نے مجھے جیل بھجوایا، جھوٹے الزام میں، دس سال کی سزا دلوائی! وہی مجھ سے پوچھ رہا ہے کہ میں اُس کے پاس کیا لینے آیا ہوں! بتاؤں۔۔۔ تمھاری زندگی!" لطیف نے سرد لہجے میں کہا۔

"مم۔۔۔ مجھے مار دو گے!" وہ لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں بولا "تو پھر تم بھی نہیں بچو گے! پھانسی کا پھندا تمھارے گلے میں ہوگا۔ تم تو جانتے ہو میرا اس دنیا میں کوئی نہیں!" ریوالور اُس نے سینے پر رکھ دیا۔

"مجھے معاف کر دو۔۔۔! مجھے مارنے سے تمھاری زندگی کے پانچ سال تو واپس نہیں آجائیں گے۔۔۔ تمھیں جتنی دولت چاہیئے مجھ سے لے لو لیکن مجھے معاف کر دو۔۔۔!" وہ گڑگڑاتے ہوئے بولا۔

"ایک شرط پر۔۔۔!" وہ ہاتھ اُٹھا کر بولا "ایک ہفتے کے اندر اندر فیکٹری کے اصل حسابات کے ساتھ تمھیں پولیس اسٹیشن پہنچنا ہوگا اور کالے کرتوتوں کا اقرار کرنا ہوگا۔۔۔ یہ شرط صرف تمھارے لیے نہیں بلکہ تمھارے دونوں ساتھیوں، سیٹھ واجد اور سیٹھ اختر کے لیے بھی ہے۔ اگر ایک ہفتے کے اندر اندر تم نے ایسا نہیں کیا تو اُس سے اگلے دن کا سورج نہ دیکھ سکو گے۔۔۔ منظور ہے!" لطیف ریوالور کی نال اُس کے چہرے پر نچاتا ہوا بولا۔

"مم۔۔۔ منظور ہے"! وہ ہکلاتے ہوئے بولا۔

"صرف سات دن۔۔۔ اُس کے بعد۔۔۔!" وہ اُس کی طرف انگلی اُٹھا کر بولا "تم خود سمجھ دار ہو!"

پھر آنے والوں نے نہایت پُھرتی سے سیٹھ کے ہاتھ پُشت پر باندھ دیے اور جیب سے رومال نکال کر اُس کے منہ میں ٹھونس دیا۔۔۔ اور باہر نکل کر رات کی تاریکی میں گُم ہو گئے۔۔۔

وہ تینوں ایک میز کے گرد بیٹھے ہوئے تھے، اُن کے چہروں پر جُھنجھلاہٹ کے آثار تھے اور وہ بار بار بے چینی سے پہلو بدل رہے تھے۔ تینوں شہر کے متموّل سیٹھ تھے اور ان کا کاروبار ملک بھر میں پھیلا ہوا تھا۔ کافی دیر کی خاموشی کے بعد ان میں سے ایک سے صبر نہ ہو سکا اور وہ تیز آواز میں بولا۔

"افتخار سیٹھ، میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ تم نے اچانک ہمیں کیوں بلوایا؟" اُس نے کھنکار کر اپنا حلق صاف کیا اور آہستہ سے بولا "کل رات میرے پاس لطیف آیا تھا۔"

"کون!" اُس نے حیرت بھرے انداز میں کہا "وہی لطیف جسے واجد دادا بھائی کے کہنے پر تم نے جیل بھجوایا تھا۔"

"ہاں!" وہ سر ہلا کر بولا، پھر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا "اُس نے مجھے ایک دھمکی دی ہے اور وہ۔۔۔"

لیکن اختر سیٹھ نے اُس کی بات درمیان میں کاٹ دی اور وہ بے چینی سے بولا" لیکن اُسے تو دس سال کی جیل ہوئی تھی! اتنی جلدی کہاں سے رہا ہو گیا؟"

"بیچ میں بات نہ کاٹو!" وہ ناخوشگوار انداز میں بولا" اس نے مجھے بتایا تھا کہ اچھے چال چلن کی وجہ سے اس کی آدھی سزا حکومت نے معاف کر دی، تم جانتے ہو کہ تمھارے ہی مشورے پر میں نے اُسے جھوٹے مقدمے میں پھنسا کر جیل بھجوا دیا تھا۔۔۔ اب اُس نے مجھے ایک ہفتے کی مہلت دی ہے کہ میں پولیس اسٹیشن پہنچ کر اپنے جرائم کا اقرار کر لوں ورنہ وہ مجھے قتل کر دے گا۔"

"پھر کیا سوچا ہے تم نے!" اختر سیٹھ نے بے چینی سے پوچھا" آگے تو سنو" وہ آرام سے بولا" اُس نے یہی دھمکی تم دونوں کو بھی دی ہے۔۔۔ اگر تم دونوں نے بھی ایسا نہیں کیا تو ہم تینوں کا حشر ایک جیسا ہو گا۔"

"کیا بکواس ہے!" واجد غصّے سے میز پر ہاتھ مار کر بولا" تم آج ہی پولیس میں رپورٹ کر دو!"

کار تیزی سے مختلف شاہراہوں پر دوڑتی چلی جا رہی تھی۔ اچانک ایک زوردار دھماکہ ہوا اور گاڑی کا توازن بگڑ گیا۔ ڈرائیور اگر کوئی ماہر شخص نہ ہوتا تو کار کب کی اُلٹ چکی تھی، اچانک ایک کاغذ کا ٹکڑا سرسراتا ہوا پچھلی سیٹ پر بیٹھے سیٹھ واجد کی گود میں جا گرا۔۔۔

اُس نے بوکھلا کر باہر نظر دوڑائی۔۔۔ لیکن بے سوُد۔۔۔ چاروں طرف کیکر کی جھاڑیاں پھیلی ہوئی تھیں کسی شخص کا اوجھل ہو جانا کوئی ناممکن بات نہ تھی، کاغذ پر لکھا تھا کار کے ٹائر کی طرح تمھاری کھوپڑی کے بھی ٹکڑے اُڑ سکتے تھے اگر ایک ہفتے کے اندر اندر تم نے اپنے کالے دھندے بند نہ کیے تو تمھارا حشر بھی اسی ٹائر کی طرح ہو گا۔۔۔ لطیف"۔

سیٹھ واجد کا رنگ فق ہو گیا۔

سیٹھ اختر کا معمول تھا کہ روزانہ صبح سویرے گھڑ سواری کیا کرتے تھے۔ آج بھی حسب معمول وہ گھڑسواری کر رہے تھے کہ اچانک گھوڑا اکر یہہ انداز میں چلّایا اور لڑکھڑا کر زمین بوس ہو گیا۔ آنکھ کھلی تو سیٹھ اختر نے خود کو بستر پر پایا۔ جسم پٹیّوں میں جکڑا ہوا تھا۔ اچانک فون کی گھنٹی چیخ پڑی۔ انھوں نے بڑی مشکل سے ریسیور اُٹھایا۔۔۔ "ہیلو"! وہ کمزوری آواز میں بولے۔

"پہچانا!" دوسری طرف سے ایک ہنسی کی آواز سنائی دی۔ "کون ہو تم؟" وہ بولے۔

"لطیف!" آواز آئی" گھوڑے کی طرح تم بھی ختم ہو چکے ہوتے۔ اگر میں تمھیں زندہ نہ رکھنا چاہتا۔"

"کیا چاہتے ہو؟" وہ خوف زدہ لہجے میں بولے۔

"تمھیں خوب اچھی طرح معلوم ہے۔" آواز نے کہا" خوب غور سے سنو، تمھارے پاس سات دن ہیں۔۔۔ صرف

سات دِن !" اس سے پہلے کہ سیٹھ اختر کچھ کہتا ٹیلی فون کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔

"دیکھو !" سیٹھ واجد نے ایک پاسپورٹ سائز کی تصویر، شہر کے مشہور بدمعاش "جگّو" کے آگے رکھتے ہوئے کہا "اس شخص کو ختم کرنا ہے !" "اتا پتا تو بتاؤ سیٹھ !" جگّو مونچھوں پہ تاؤ دیتے ہوئے بولا۔

"نام اس کا لطیف ہے، اور پتا نامعلوم، تمھیں اس کو ڈھونڈ کر قتل کرنا ہے !" "فکر مت کرو سیٹھ ! کام ہو جائے گا۔"

"گڈ !" سیٹھ خوش ہو کر بولا اور پھر میز کی دراز سے نوٹوں کی ایک گڈّی نکالی اور اُس کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔ "یہ ایڈوانس رکھ لو۔ باقی رقم کام کے بعد۔"

"بس سمجھ لو سیٹھ کام ہو گیا !" جگّو نے نوٹوں کی گڈّی جیب میں ڈالی اور باہر نکل گیا۔

چند روز بعد سیٹھ واجد کو تصویروں سے بھرا لفافہ موصول ہوا۔ اور ساتھ ہی مختصر سی تحریر بھی۔ اور لکھا تھا "اُن تصویروں کو غور سے دیکھو ! کیا تمھارا آدمی اس قابل نظر آ رہا ہے کہ کسی کو ایک تھپّڑ بھی مار سکے ... فقط لطیف !"

تصویریں جگّو کی تھیں جس میں وہ بُری طرح زخمی نظر آ رہا تھا، تھوڑی دیر بعد فون کی گھنٹی بجی۔ "ہلو ! اوہ ! افتخار، خیریت !"

دوسری طرف سے آواز آئی "خیریت ہی تو نہیں ہے ! تم نے جگّو کو بھیجا تھا ؟"

"ہاں !" واجد حیران ہو کر بولا "لیکن تمھیں کس طرح معلوم ہوا ؟"

اُس "مردود" نے مجھے خط اور تصویریں بھیجی ہیں !"

"ایسا کرو تم میری طرف آ جاؤ !" دوسری طرف سے افتخار کی آواز سُنائی دی "اختر کو بھی ایسا ہی لفافہ مِلا ہے۔" "اُف میرے خدایا !" سیٹھ واجد کے ہاتھ سے ریسیور چھُوٹ گیا۔

"بھئی لطیف تم نے تو کمال کر دیا !" انسپکٹر واصف لطیف سے کہہ رہے تھے۔ "وطن کے دشمن اب قانون کی گرفت میں آ چکے ہیں، تمھارا منصوبہ ہی اس قدر انوکھا تھا کہ ان بدمعاشوں کے لیے فرار کے راستے بند ہو گئے۔ میرے تو وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ ان سے اس طرح بھی نِپٹا جا سکتا ہے۔" انسپکٹر واصف بولتے بولتے رُکا۔

"سر" لطیف نے ادب سے کہا "قانون مجرموں کو اس طرح گرفتار نہیں کرتا۔ آپ نے یہ طریقہ اختیار کرنے کی مجھے آزادی دی اور اپنی نوکری کے لیے بڑا خطرہ مول لیا۔ اس لیے یہ کارنامہ اصل میں آپ ہی کا ہے اور آپ کے اسسٹنٹ طلحہ کا۔ ورنہ اکیلے میرے لیے یہ سب ممکن نہ تھا۔" انسپکٹر واصف نے اُٹھ کر لطیف کا کندھا تھپتھپایا۔ "بات یہ ہے لطیف کہ قانون نافذ کرنے کے لیے کبھی کبھی مجرموں پر اُنھی کے ہتھکنڈے آزمانے پڑتے ہیں۔ خیر چھوڑو ان باتوں کو، آؤ کہیں اچھا سا لنچ کرتے ہیں۔" "ضرور، ضرور" لطیف نے مُسکرا کر کہا۔ دونوں کے چہرے کامیابی کی خوشی سے تمتما رہے تھے۔

دودھ اور مکھن کا شیریں احساس
Royal
بٹر ٹافی
Butter Toffee
Royal
چاکلیٹ ٹافی
Chocolate Toffee
رائل کنفیکشنری انڈسٹریز 24/22۔سی۔ایس۔آئی۔ای۔گوجرانوالہ

نیا سلسلے وار ناول:

سیّد عبدالعزیز عزمی

قسط نمبر ۴

# پناہ

حنیف، یاسمین اور ناہید بہن بھائی تھے۔ ان کے ابّو رشید صاحب فوج میں میجر تھے اور وہ لوگ سرحد کے قریب ایک قصبے میں رہتے تھے۔ تینوں امّی سے اجازت لے کر سیر کے لیے باہر گئے تو اِدھر دُشمن فوجیوں نے قصبے پر حملہ کر دیا اور ان کے امّی ابّو کو قیدی بنا کر لے گئے۔ ان کے ابّو کے ایک کیپٹن دوست نے تینوں کو ان کے رشتے کے چچا چچی کے پاس بھجوا دیا لیکن چچا چچی ان کا خیال رکھنے کے بجائے ان کے ساتھ نوکروں کا سا سلوک کرتے اور مارتے پیٹتے۔ وہیں ان کی ملاقات علی سے ہوئی وہ بھی ان کی طرح اپنے خالو کے ظلم کا شکار تھا۔ ایک دن چاروں نے پروگرام بنایا کہ وہ پہاڑی کے اُس پار جزیرے میں رہنے جائیں گے۔ یہ فیصلہ کر کے وہ ایک دن جزیرہ دیکھنے گئے۔ جزیرہ دیکھ کر چاروں بہت خوش ہوئے اور یہ اندازہ لگا کر واپس آ گئے کہ وہاں کن کن چیزوں کی ضرورت پڑے گی۔ واپس آ کر چاروں مختلف چیزیں جمع کرتے رہے اور ایک دن موقع پا کر سارے سامان سمیت علی کی کشتی میں جزیرے جا پہنچے۔ وہاں انھوں نے مل کر ایک گھر بنایا۔ کچھ دن وہاں رہنے کے بعد انھیں اندازہ ہوا کہ خوراک کا ذخیرہ زیادہ دن تک نہیں چل سکتا۔ لہٰذا علی ایک رات کشتی میں گاؤں روانہ ہو گیا۔ اب آگے پڑھیے

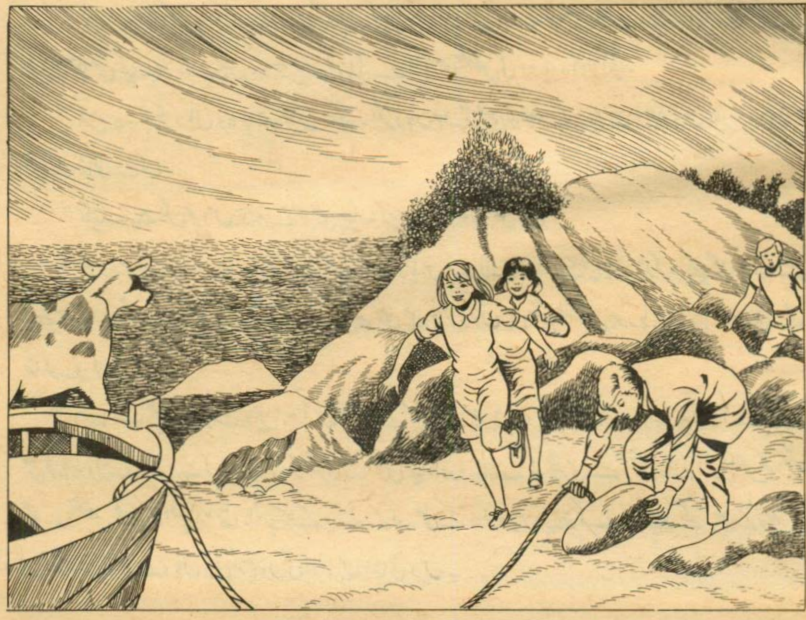

رات اندھیری تھی مگر علی بڑے اطمینان سے کشتی چلا رہا تھا۔ آسمان پر ستارے چمک رہے تھے۔ اور اِن کا خوبصورت عکس جھیل پر قوس و قزح کا رنگ پیش کر رہا تھا۔ تقریباً پون گھنٹے کے بعد اُس کی کشتی ساحل پر لگ چکی تھی۔ وہ نیچے اُترا اور کشتی کو احتیاط سے جھیل کی دائیں طرف والی جھاڑیوں میں چھُپا دیا۔ اب وہ کھیتوں کے درمیان والی پگ ڈنڈی پر چل رہا تھا۔ ابھی اتنی رات نہیں ہوئی تھی کہ گاؤں والے سو جاتے۔ لہٰذا وہ بڑی احتیاط برت رہا تھا۔ چاروں طرف دیکھتا ہوا راستہ طے کر رہا تھا۔ جلد ہی وہ اپنے خالو کے کھیتوں میں تھا۔ کھیت سے کچھ ہی فاصلے پر اُس کا گھر تھا۔ سب سے پہلے اُس نے تھیلے میں کھیت میں لگی ہوئی سب سبزیاں بھریں۔ پھر وہ گھر کے دروازے پر پہنچا۔ دروازہ اندر سے بند تھا' اُس نے دیوار پھاندنے کا فیصلہ کیا۔ اور وہ جلد ہی کچّی دیوار پر چڑھا ہوا تھا۔ آہستگی سے چھلانگ ماری' اور وہ اب گھر کے اندر تھا۔ خالو کے کمرے میں روشنی ہو رہی تھی' اُسے کمرے میں سے کچھ آوازیں سُنائی دے رہی تھیں۔ شاید اُس کے خالو کسی آدمی سے باتیں کر رہے تھے۔ علی نے دروازے سے کان لگا دیئے۔ اندر کوئی شخص کہہ رہا تھا۔

"نہ جانے کہاں غائب ہو گئے ہیں یہ بچّے۔؟"

"لگتا ہے۔! یہ سب کسی بس میں بیٹھ کر شہر چلے گئے ہیں۔" علی کو اپنے خالو کی آواز سنائی دی۔

"ہاں اب یہی کہا جا سکتا ہے۔ ورنہ اگر یہاں کہیں اطراف میں ہوتے تو ہمیں ضرور ملتے۔! ہم نے انھیں ہر طرف تلاش کیا ہے۔ اب بس وہ جزیرہ ہی باقی ہے۔" اُسی شخص کی دوبارہ آواز آئی۔

"جزیرہ۔! مگر وہاں وہ جا ہی نہیں سکتے۔ اگر وہاں جاتے بھی تو بھوک پیاس سے اتنے دن نہیں رہ سکتے۔" علی کے خالو نے کہا۔

"ٹھیک ہے مگر ہم اس جزیرے کو بھی چیک کریں گے۔" وہ شخص بولا۔

"اگر وہ میرا بھانجا مل جائے تو اُسے آپ میرے پاس مَت لائیے گا۔ بس جیل میں بند کر دیجیے گا۔ اب میں ایسے نافرمان کو گھر میں نہیں رکھ سکتا۔ اور ویسے بھی میں چند دنوں میں شہر منتقل ہو رہا ہوں۔!" علی کے خالو نے کہا۔

"اچھا اب مجھے اجازت دیں۔" اُس شخص نے کہا۔ اور پھر قدموں کی آوازیں دروازے تک آنے لگیں۔ علی فوراً دروازے سے ہٹ کر برابر والی کوٹھری میں گھُس گیا۔ اور دروازے کی جھری سے آنکھ لگا کر اس شخص کو دیکھنے لگا۔ وہ شخص قصبے کا انسپکٹر تھا۔ انسپکٹر کے جانے کے بعد علی کے خالو واپس اپنے کمرے میں چلے گئے۔ علی نے کوٹھڑی میں نظر ڈالی تو اُسے وہاں اپنی مُرغیوں کی آوازیں سنائی دیں۔

ان میں دس مرغیاں اُس کی اپنی تھیں، جو کہ اُس نے محنت مزدوری کرکے حاصل کی تھیں۔ اُس نے سوچا کہ مجھے ان مرغیوں کو جزیرے میں لے جانا چاہیئے۔ ورنہ خالو انھیں شہر جانے سے پہلے بیچ دیں گے۔

وہ ان مرغیوں کو لے جانے کی ترکیب سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک کوٹھری کا دروازہ کھلنے لگا۔ وہ گھبرا گیا۔

علی کو گاؤں گئے کافی دیر ہو گئی تھی۔ تینوں بچے کافی پریشان تھے۔ وہ اب تک ساحل پر بیٹھے ہوئے تھے۔ حنیف تھوڑی تھوڑی دیر بعد آگ میں سوکھی لکڑیاں ڈال دیا کرتا تھا۔ اس طرح آگ بجھنے نہیں پاتی تھی۔

"کہیں علی پکڑا نہ گیا ہو۔" یاسمین کے منہ سے نکلا۔

"اپنے خیالات اپنے پاس ہی رکھو۔" ناہید اُس کو گھورتے ہوئے بولی۔

"میرا خیال ہے کہ ہمیں دُعا کرنی چاہیئے کہ علی خیریت سے پہنچ جائے۔" حنیف نے دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ پھر وہ تینوں بچے ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگنے لگے۔ اِس وقت ہوا بالکل بند تھی۔ بچّوں کو گرمی لگ رہی تھی مگر وہ علی کا بے چینی سے انتظار کر رہے تھے۔ تقریباً آدھی رات بیت چکی تھی۔ اچانک انھیں چپّو کے چلنے کی آواز سنائی دی۔ وہ بھاگے بھاگے پانی کے قریب پہنچے۔ حنیف نے کشتی کو قریب آتے دیکھا۔ چاندنی رات میں کشتی ایک کالے دھبے کی مانند دکھائی دے رہی تھی۔

"علی یہ تم ہو ـــ؟؟؟" حنیف چلّایا۔ "خیر سے تو ہو ـــ؟؟؟"

"ہاں ہاں سب خیریت ہے ۔!" علی کی آواز آئی۔ "خدا کا شکر ہے۔"

تھوڑی دیر بعد کشتی ساحل سے لگ گئی۔ حنیف نے اُسے ساحل پر کھینچ لیا۔ علی چھلانگ لگا کر ساحل پر آگیا۔ "دیکھو میں تم لوگوں کے لیئے کیا کیا چیزیں لایا ہوں۔" چاندنی رات میں علی بڑا خوش دکھائی دے رہا تھا۔

"کیا کیا ہے ۔؟" یاسمین بھی آنکھیں ملتی وہاں پہنچ گئی۔

"کشتی کے کونے پر ہاتھ ڈال کر دیکھو ۔" علی مُسکرایا۔

"ہائے ... یہ کیا چیز ہے ...!" یاسمین کی چیخ سنائی دی۔ اُسے کشتی کے کونے میں کوئی نرم اور گرم شے محسوس ہوئی تھی۔

"یہ میری ذاتی دس عدد مرغیاں ہیں۔" علی فخریہ انداز سے بولا "کوئی چوری کا مال نہیں ہے۔ میری اپنی مرغیاں ہیں۔ بڑی مشکل سے انھیں یہاں تک لایا ہوں۔ میں نے ان کے پیر ایک دوسرے کے ساتھ باندھ دیئے ہیں تاکہ یہ اُڑ نہ جائیں۔ اب ہمیں انڈوں کی کمی بھی محسوس نہیں ہوگی۔"

"اور یہ اس جزیرے سے بھی کہیں بھاگ نہیں سکتیں۔" ناہید خوشی سے بولی۔

"اور کیا کیا لائے ہو۔" حنیف نے پوچھا
"مرغیوں کے لیے دانہ ہے، اور سبزیاں ہیں، آلو بھی جل گئے تھے، اور میں سبزیوں کے بیج بھی لایا ہوں"۔ علی نے بتایا۔
"سبزیوں کے بیج ؟؟" تینوں بچوں نے یک زبان ہو کر کہا۔
"ہاں اب ہم اس جزیرے میں خود ہی سبزیاں اُگائیں گے۔ یہاں کی زمین بڑی زرخیز ہے۔"
"سبزیاں اُگنے لگیں تو ہم سبزیوں کے سلسلے میں کوئی پریشانی نہیں ہو گی۔"
"ہاں تمھاری یہ تجویز بہت شاندار ہے۔" حنیف نے تعریفی نظروں سے علی کو دیکھا۔
"اور کیا کیا لائے ہیں۔" یاسمین بے چین تھی۔
"اور ہاں دودھ کی کمی کا حل لایا ہوں، یعنی دودھ کا پاؤڈر۔" علی نے کہا۔
"دودھ کا پاؤڈر بھئی واہ !! اب ہمیں کالی بدمزہ چائے نہیں پینی پڑے گی۔!"
ناہید اور یاسمین خوشی سے چلائیں۔
"ہاں اسی وجہ سے میں یہ دودھ لایا ہوں کیونکہ تازہ دودھ تو کچھ دیر بعد خراب ہو جاتا مگر یہ دودھ کچھ عرصہ ہمارے کام آسکتا ہے۔"
"ہاں علی تم یہ تو بتاؤ تمھیں وہاں کوئی خطرہ تو محسوس نہیں ہوا۔" حنیف نے پوچھا۔
"بڑی دیر بعد خیال آیا یہ پوچھنے کا۔" علی نے کہا۔ "بس تم یہ سمجھو کہ بال بال بچا ہوں"۔
اتنا کہہ کر علی نے اپنے گاؤں کی تمام باتیں بتائیں اور کہا۔ "اور جب میں کوٹھری میں چھپا ہوا تھا تو کوئی دروازہ کھولنے لگا۔ میں بہت گھبرایا۔ کیونکہ کوٹھری میں کوئی جگہ چھپنے کی نہیں تھی۔ دروازہ جب پورا کھل گیا تو پتہ ہے دروازے پر کون تھا۔"
"کون تمھارے خالو تھے۔" تینوں بچوں نے یک زبان ہو کر کہا۔
"نہیں۔ بلی تھی۔!" علی مسکراتے ہوئے بولا۔
"اوہ۔! شکر ہے خدا کا۔" حنیف نے سکون کا سانس لیا۔
"اب خالو شہر منتقل ہو رہے ہیں۔ لہٰذا وہ اپنا سامان بھی بیچ دیں گے۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ میری گائے نہ بیچ دیں۔ لہٰذا مجھے اپنی ریشم کو جلد از جلد یہاں لانا پڑے گا۔" علی سوچتے ہوئے بولا۔
"کبھی کبھی تو تم عجیب باتیں کرتے ہو، بھلا اتنی بڑی گائے یہاں کیسے آسکتی ہے۔" ناہید بولی۔

"فکر نہ کرو میں گائے کسی نہ کسی طرح یہاں لے آؤں گا" علی نے آہستہ آواز میں کہا اور پھر بولا "اب یہ بتاؤ ان مرغیوں کو ہم کہاں رکھیں"۔

"میرا خیال ہے کہ ابھی توفی الحال انھیں زندہ گھر میں رکھ دیا جائے۔ صبح اِن کا الگ باڑہ بنا دیا جائے گا"

چاروں بچّوں نے مل کر ان مرغیوں کو زندہ گھر میں رکھ دیا۔ اور دروازے کو گھاس پھونس اور لکڑی کا تختہ لگا کر بند کر دیا۔ مُرغیاں سہمی ہوئی تھیں لہٰذا ایک کونے میں دبک کر بیٹھ گئیں۔

"میں تو تھک گیا ہوں اب ہمیں سونا چاہیئے" علی نے کہا۔ پھر چاروں بچّے گھاس کے بستروں پر آ گئے، آج ہی انھوں نے اس بستر پر گھاس کی ایک نئی تہہ جمائی تھی۔ جلد ہی نیند نے اُنھیں آلیا۔

دُوسرے دن وہ دیر تک سوتے رہے۔ کافی دیر بعد علی کی آنکھ کھلی۔ اُس نے تینوں کو جگایا۔ ناہید مُنہ ہاتھ دھونے کے بعد ناشتے کا انتظام کرنے لگی۔ جبکہ یاسمین فوراً مرغیوں کو دیکھنے زندہ گھر چلی گئی۔ مُرغیاں اب پُر سکون تھیں۔ اور رات چار انڈے بھی دیئے تھے۔ یاسمین نے چاروں انڈے اُٹھا لیے۔ پھر وہ واپس ساحل پر آئی اس عرصے میں ناہید نے چائے بنالی تھی۔ ناشتے کے بعد چاروں بچّوں نے مُرغیوں کا باڑہ بنایا۔ یہ نہایت آرام دہ گھاس کا قطعہ تھا جس کے گرد علی نے لکڑی کے تختے لگا کر چار دیواری بنا دی تھی۔ مُرغیوں کو یہ جگہ بے حد پسند آئی وہ کٹ کٹ کرنے لگیں۔ علی نے تھوڑا سا دانہ مُرغیوں کے آگے ڈال دیا۔ اور ایک کٹوری پانی کی بھر کر رکھ دی۔

باڑہ مکمّل کرنے کے بعد انھوں نے اپنے زندہ گھر کا دروازہ بنانے پر توجّہ دی۔ کافی محنت کے بعد علی اور حنیف تختوں کی مدد سے ایک دروازہ بنانے میں کامیاب ہو گئے۔ پھر اس دروازے کو زندہ گھر میں فِٹ کر دیا گیا۔

حنیف کے اوزاروں کے ڈبّے سے ایک پُرانی کنڈی بھی مل گئی تھی۔ علی نے اُسے دروازے میں باندھ دیا اب یہ دروازہ باآسانی بند اور کھُل سکتا تھا۔ چاروں بچّے بہت خوش تھے۔ اِن کا گھر مکمّل ہو گیا تھا۔ اور یہ گھر انھوں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا تھا۔

دوپہر ہو چلی تھی۔ سورج کی تمازت اپنے عُروج پر تھی۔ اب انھیں بُھوک ستانے لگی۔ علی نے آگ جلائی، ناہید نے آٹا گوندھا۔ حنیف ساحل پر مچھلی کا کانٹا دیکھنے گیا کہ کوئی مچھلی پکڑی گئی یا نہیں۔ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک ٹراؤٹ مچھلی تھی۔ یاسمین نے مچھلی صاف کی اور اس کے قتلے بنالیے، ذرا سی دیر میں اُن کا دوپہر کا کھانا تیار ہو گیا۔ کیسا زبردست کھانا تھا۔ تلی ہوئی مچھلی روٹی، کھیرے، ٹماٹر اور خوبانیاں جو علی خالو کے باغ سے لایا تھا۔ کھانے سے فارغ ہو کر علی نے کہا "میرا خیال ہے کہ اب گائے کو ہمیں یہاں لے آنا چاہیئے۔ میں آج شام گائے لینے جاؤں گا۔"

"مگر گائے یہاں کیسے آئے گی"۔ یاسمین حیرت سے بولی۔
"تم آج جاؤ گے تو میں بھی چلوں گا۔ شاید تمھیں میری مدد کی ضرورت ہو"۔ حنیف نے کہا۔
"ہاں مجھے آج تمھاری مدد کی ضرورت ہوگی تم میرے ساتھ چل سکتے ہو"۔
وہ اب رات کا کھانا کھا رہے تھے۔ جب سُورج غروب ہوئے آدھ پون گھنٹہ ہو گیا تو علی نے کشتی نکالی اور دونوں لڑکوں نے اسے جھیل میں ڈال دیا۔ دونوں آہستہ آہستہ چپّو چلاتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔
"مگر علی تم گائے کو کیسے لاؤ گے، کیا وہ اس کشتی میں بیٹھے گی؟" حنیف سے رہا نہ گیا تو پُوچھ بیٹھا۔
"ارَے۔ ابھیَ وہ کشتی میں بیٹھے گی نہیں بلکہ تیرتے ہوئے کشتی کے پیچھے پیچھے آئے گی"۔ علی مُسکرا کر بولا۔
حنیف کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا مگر پھر بھی اُسے علی کی ہوشیاری پر پورا بھروسہ تھا۔ کنارے پر پہنچتے ہی انھوں نے کشتی کو احتیاط سے چھُپایا۔ پھر کھیتوں کے درمیان چلنے لگے۔ علی کے گھر میں اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ جس کا مطلب تھا کہ اُس کے خالو سو چکے ہیں۔ گھر کے برابر ہی ایک باڑہ تھا جس میں چند گائیں اور گھوڑے کھڑے ہنہنا رہے تھے۔
"حنیف وہ سامنے چھپّر کے نیچے رسّی پڑی ہے۔ تم وہ لے آؤ"۔ علی نے کہا اور پھر وہ باڑہ میں داخل ہو گیا۔
"ریشم۔ ریشم۔" اُس نے گائے کو پُکارا۔ آواز سُن کر ایک سفید رنگ کی گائے آگے بڑھ آئی اور علی کا ہاتھ چاٹنے لگی۔ علی نے اس کی گردن پر تھپکی دی۔ اتنے میں حنیف رسّی لے آیا۔ جسے علی نے گائے کے گلے میں ڈال دیا۔ پھر رسّی حنیف کے ہاتھ میں تھما کر بولا۔"تم ذرا گائے کو پکڑے یہاں کھڑے رہو۔ میں گھر میں ایک نظر دیکھ لوں شاید کچھ کام کی چیزیں مل جائیں"۔
"ہاں مگر تولیہ ملے تو ضرور لے لینا"۔ حنیف نے یاد دلایا۔ کیونکہ وہ نہانے کے بعد پُرانے کپڑے سے بدن پونچھ پونچھ کر تنگ آ چکے تھے۔ اتنے میں علی گھر کی دیوار پھاند چکا تھا۔ دروازہ بند تھا۔ مگر علی تو گھر کا بھیدی تھا۔ ایک کھڑکی کو تھپتھپایا تو چٹخنی کھُل گئی۔ دوسرے لمحے وہ گھر کے اندر تھا۔ غُسل خانے میں اُسے ایک میلا تولیہ مل گیا۔ اب وہ گھر کے اسٹور میں گھُس گیا۔ ایک بکس میں اُس کے کپڑے ٹھُنسے ہوئے تھے۔ جن میں دو سویٹر بھی تھے۔ سردیاں آنے والی تھیں۔ لہٰذا ان کی ضرورت پڑ سکتی تھی۔ اُس نے سویٹر اُٹھا لیے اور تو اور اُس نے اپنا وہ پُرانا کوٹ بھی اُٹھا لیا جو اُسے سخت ناپسند تھا۔ ایک میلا سا کمبل اور پُرانے جوتے بھی لے لیئے۔
اب مسئلہ یہ تھا کہ اتنے سارے کپڑے لے کر کس طرح جائے۔ اُس نے یہ سب کپڑے ایک دوسرے کے اُوپر پہن لیئے۔ پھر دونوں سویٹر بھی پہن لیے اور ان کے اوپر پُرانا کوٹ بھی پہن لیا۔ کمبل شانے پر ڈال لیا۔

اب وہ کوئی بوڑھا جادوگر معلوم ہورہا تھا۔ پھر وہ باغ میں آیا۔ اور اپنی بے شمار جیبوں میں پھل اور سبزیاں بھر لیں۔ پھر وہ حنیف کے پاس آیا۔ حنیف نے بڑی مشکل سے گائے کو قابو کیا ہوتھا۔ علی کو اس حلیئے میں دیکھ کر اُسے ہنسی آگئی۔

"چلو اب ہنسو نہیں بلکہ تم کمبل اور جُوتے پکڑو۔ اور ریشم کو میں پکڑتا ہوں" علی نے کہا۔ پھر ریشم کی رسّی پکڑ کر وہ لوگ کنارے پر جانے لگے۔ جھیل کے کنارے پر پہنچ کر ریشم نہ جانے کیوں ڈکرانے لگی۔ دونوں گھبرائے کہ کہیں کوئی اِس کی آواز نہ سُن لے۔ پھر علی نے اُسے چمکارا اور تھپکی دی۔ دونوں لڑکے کشتی میں بیٹھ گئے۔ حنیف چپّو چلانے لگا۔ علی نے ریشم کی رسّی کو جھٹکا دیا۔ ریشم پانی میں اُتر گئی۔ اور مزے سے تیرنے لگی۔ پھر وہ ایک بار ڈکرائی۔ علی سوچنے لگا کہ کہیں میں اس گائے کو جزیرے میں لے جا کر غلطی تو نہیں کر رہا۔ اگر یہ وہاں ڈکرائی تو ضرور ہم پکڑے جائیں گے۔ مگر اب تو اُنھوں نے اوکھلی میں سَر دے دیا تھا۔ لہٰذا مُوسلوں سے کیا ڈرنا تھا۔ چاروں طرف گھُپ اندھیرا تھا۔

"تو گویا میری تجویز بُری نہیں تھی" علی نے اطمینان کا سانس لیا۔

"جی ہاں کپتان صاحب" حنیف ہنس کر بولا۔

چاروں طرف خاموشی تھی۔ صرف چپّوؤں کی آوازیں سنّاٹے کو توڑ رہی تھیں۔ آہستہ آہستہ انھیں جزیرہ کالے اور گہرے سائے کے روپ میں دکھائی دینے لگا۔ اب انھیں جزیرے پر جلتی ہوئی ایک موم بتی بھی نظر آرہی تھی۔ جلد ہی وہ جزیرے کے ساحل پر تھے۔

"علی بھائی۔ حنیف بھائی" یاسمین اور ناہید چلاّئیں۔

"ہاں ہم ہیں۔ آرہے ہیں۔" حنیف نے چلاّ کر کہا۔ اِن لوگوں کو بولتے دیکھ کر گائے کو بھی ڈکرانے کا خیال آیا۔ وہ زور سے ڈکرائی۔ اب اُس کے ڈکرانے سے کوئی خطرہ نہ تھا۔

"تو کیا۔ گائے بھی پہنچ گئی ہے" یاسمین گائے کے ڈکرانے کی آواز سُن کر بولی۔ جواب میں گائے پھر ڈکرائی جیسے کہہ رہی ہو کہ تمھیں کیا یقین نہیں آرہا کہ میں آگئی ہوں۔ علی گائے کو لے کر ساحل پر چڑھ گیا۔ حنیف نے کشتی کو بھی ساحل پر چڑھالیا۔

"لو بھئی یہ رہی گائے۔ کیوں مانتی ہو ہم کو۔۔۔" علی سینہ پھُلا کر بولا۔

"واہ بھئی واہ ہم مان گئے آپ کو اور آپ کے دماغ کو بھی" یاسمین بولی۔ پھر اُس کی نگاہ علی کے حلیئے پر پڑی تو وہ کھلکھلا کر ہنسنے لگی۔! ناہید بھی علی کی طرف اُس کے عجیب حلیئے کی وجہ سے متوجّہ ہوگئی۔

"بھئی مجھے کپڑے لانے تھے لہٰذا ایسا کرنا پڑا۔ بس اب بتاؤ اس گائے کو کہاں رکھا جائے" علی نے کہا۔
گائے اس وقت سردی سے ٹھٹھر کر علی کا ہاتھ چاٹ رہی تھی۔

"فی الحال ہم اسے مرغیوں کے پاس باندھ دیتے ہیں۔" ناہید نے کہا۔

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔ مرغیاں بھی اس سے مانوس ہیں اور یہ بھی انھیں جانتی ہے لہٰذا یہ وہاں خوش رہے گی۔ مگر پہلے ہمیں اس کا بدن خشک کرنا پڑے گا۔ کہیں ہماری اس ریشم کو زکام نہ ہو جائے۔"

اس بات پر دونوں لڑکیوں کو ہنسی آ گئی۔ پھر حنیف ایک پرانا کپڑا لے آیا۔ انھوں نے اچھی طرح سے ریشم کے جسم کو خشک کر دیا۔ پھر اسے لے کر مرغیوں کے باڑے میں چھوڑ آئے۔ مرغیوں نے کٹ کٹ کٹ کر کے اس کا استقبال کیا۔ گائے اُن کے قریب ہی سوکھی گھاس پر بیٹھ گئی۔ واپسی پر علی نے اپنے پہنے ہوئے کپڑے اتارے اور ان میں سے سبزیاں اور پھل نکال لیے۔ اب مشرق کی طرف سے سفیدی سی نظر آ رہی تھی۔ علی نے کہا: "آج کی رات ہمارے لیے بڑی ہنگامہ خیز ثابت ہوئی ہے۔ اب ہمیں سو جانا چاہیے۔" گائے ایک بار پھر ڈکرائی۔ جیسے کہہ رہی ہو کہ "تم نے مجھے آج کتنا تنگ کیا۔"

---

صبح دیر سے اُن کی آنکھ کھلی۔ اُسنا تو گائے ڈکرا رہی تھی۔ علی بولا: "ارے ہم نے ابھی تک اس کا دودھ نہیں دوہا۔" پھر چاروں بچے مختلف برتن لے کر گائے کے پاس پہنچ گئے۔ ریشم اُن کو دیکھ کر ڈکرانے لگی۔ علی نے دودھ دوہا۔ آج تمام برتن دودھ سے بھر گئے تھے۔ پھر یاسمین نے مرغیوں کو دانا ڈالا۔

اب ناشتے میں اِن کے لیے دودھ والی چائے اور دودھ کی بالائی تھی۔ ناشتے کے بعد علی اور حنیف گائے کو پہاڑی کی دوسری طرف لے گئے۔ جب کہ لڑکیاں برتن دھونے لگیں۔ پہاڑی کے دوسری طرف ہری ہری گھاس بکھری ہوئی تھی۔ ریشم خوش ہو کر منہ مارنے لگی۔

"ہم ریشم کو کسی جگہ باندھیں گے نہیں بلکہ کھلا چھوڑ دیں گے۔ البتہ یہاں ایک چھپّر بنا دیں گے۔ تاکہ ریشم رات کے وقت یہاں بیٹھ جائے۔" علی نے کہا۔ ذرا سی دیر میں انھوں نے وہاں گائے کے لیے چھپّر ڈال دیا۔ پھر یہ چاروں بچے جزیرے کی سیر کو نکلے۔ یاسمین کی نظر انگور کی بیلوں پر پڑی وہ مچل گئی۔ علی اور حنیف نے جلدی جلدی چند بیلیں توڑ لیں۔ پھر انگوروں کو انھوں نے ایک ڈول میں بھر کر چشمے کے برابر گڑھا کھود کر رکھ دیا۔ تاکہ انگور ٹھنڈے رہیں ۔۔۔

"آج ہم سب بہت خوش ہیں۔ علی بھائی نے ہمیں تو جیتے جی جنّت میں پہنچا دیا ہے۔ یہاں کھانے کے پھل

ہیں۔ گائے ہے۔ مرغیاں ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہم آزاد ہیں" ناہید نے کہا۔

اَب وہ پہاڑی پر تھے۔ یہاں سے انھیں اپنا ساحل صاف نظر آرہا تھا۔ ان کی نظروں کے سامنے جھیل کا پانی پھیلا ہوا تھا۔ فضا میں اس وقت گرمی کی تمازت زیادہ تھی۔ اچانک علی چونک پڑا۔

"وہ دیکھو۔۔۔ ایک کشتی جس میں چند افراد سوار ہیں" تینوں بچّوں نے بھی اس کشتی کو دیکھ لیا۔

"شاید یہ کہیں اور جارہے ہیں" حنیف بولا۔

"کہیں یہ ہمارے اس جزیرے پر نہ آجائیں" یاسمین نے تشویش ظاہر کی۔

"نہیں ایسا مت کہو۔۔۔" ناہید گھبرائی۔

تھوڑی دیر گزر گئی۔ کشتی اب انھیں واضح نظر آرہی تھی۔ علی نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

"اب اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ کشتی ہمارے جزیرے پر آرہی ہے۔۔"

کشتی پر کون افراد سوار تھے؟ کیا انھوں نے ان بچّوں کو دیکھ لیا؟ (یہ سب اگلی قسط میں پڑھیے۔)

---

## پُرانا مالک

ایک امریکی جارج بُوتھ وِل نے اپنی موٹر کار فروخت کی۔ دو ماہ بعد ایک دفعہ یہ کار اپنے نئے مالک کے ہاتھوں بے قابو ہوگئی اور اسی دوران یہ ایک کریانہ اسٹور سے جا ٹکرائی۔ یہ کریانہ اسٹور اس موٹر کے پہلے مالک جارج بُوتھ وِل ہی کا تھا۔

## کشتی اور بس میں ٹکّر

بظاہر کشتی اور بس میں ٹکر ناقابلِ یقین سی بات معلوم ہوتی ہے مگر لنکن ٹاؤن کے ایک شخص چارلس کی کشتی پانی کی سطح سے سولہ فٹ اچھل کر خشکی پر آگئی۔ اتفاق سے وہاں ایک بس کھڑی تھی۔ بس سے ٹکرانے کے بعد کشتی اور بس دونوں کو کافی نقصان پہنچا۔

## پانامہ

دنیا میں صرف پانامہ ہی وہ جگہ ہے جہاں سورج بحرِ اوکاہل سے نکلتا ہوا دکھائی دیتا ہے اور بحرِ اوقیانوس میں غروب ہوتا ہوا دیکھا جاسکتا ہے۔

PID-(Islamabad) PACO-386
ARGUS

ننھے ساتھیوں کے لیے ایک کہانی

# ماجرا ایک لکڑہارے کا

## ساحرہ انور

بچّو! کسی جنگل کے قریب۔۔۔گھاس پھوس کی بنی ایک چھوٹی سی کُٹیا تھی۔ اُس کُٹیا میں ایک غریب لکڑہارا اور اُس کا باتونی طوطا رہتا تھا۔ لکڑہارا روز صبح منہ اندھیرے جنگل کی طرف نکل جاتا اور لکڑیاں اکٹھی کرتا شام ہونے سے پہلے اُس کے پاس اتنی لکڑیاں جمع ہو جاتیں کہ وہ آدھی لکڑیاں جنگل سے دور قصبے میں فروخت کر کے اور تھوڑے سے پیسے کما سکے اور آدھی لکڑیاں گھر کے چولھے کے لیے رکھ سکے۔

روز شام کو جب لکڑہارا اپنی کُٹیا میں پہنچتا تو وہ اور اُس کا باتونی طوطا مل کر کھانا کھاتے اور میٹھی میٹھی باتیں کرتے۔ لکڑہارے کا طوطا بہت خوبصورت تھا۔ اس کے سبز رنگ کے ریشمی پر تھے اور اُن پروں پر اُس کی سُرخ انار سی چونچ۔ وہ نہ صرف دیکھنے میں اچھا تھا بلکہ اُس کی باتیں بھی بہت خوبصورت تھیں، دن بھر کا تھکا ہارا لکڑہارا اُس کی باتوں سے بہت خوش ہوتا تھا۔ طوطا روز رات کو لکڑہارے کو ایک اچھی کہانی سُناتا اور روز صبح لکڑہارے کو کام پر جانے سے پہلے یہ نصیحت

کرتا "اچھے دوست ایک بات یاد رکھنا کہ اپنی بھوک کو کسی دوسرے کی مجبوری پر ترجیح نہ دینا' اور جنگل میں لگے ہرے بھرے سایہ دار درخت نہ کاٹنا چاہے ایک دن بھوکا ہی کیوں نہ سونا پڑے "

دن گزرتے گئے اور جنگل کے تمام سوکھے درخت آہستہ آہستہ ختم ہوتے گئے۔ ایک دن لکڑ ہارا جب لکڑیاں کاٹنے جنگل میں پہنچا تو اُسے قریب کوئی بھی سوکھا درخت نہیں ملا۔ پھر یہ ہوا کہ اُس نے سوچا سوکھے درخت کی تلاش میں زیادہ دُور کیوں جاؤں، کیوں نہ قریب ہی لگے ان ہرے بھرے درختوں میں سے ایک کاٹ لوں، کیا فرق پڑے گا۔ یہ سوچتے ہی اُس نے اپنی چمکتی ہوئی کلہاڑی اُٹھائی اور ایک ہرے بھرے درخت کے تنے پر زور سے ضرب لگائی۔ جیسے ہی کلہاڑی اُس گھنے درخت کے تنے پر پڑی تو ایک ننھی سی پیاری سی آواز آئی "لکڑ ہارے اس درخت کو مت کاٹو' اس پر میرا گھر بنا ہوا ہے" آواز سُنتے ہی ایک پل کو لکڑ ہارا چونک گیا۔ اُس نے جو اُوپر شاخ کی طرف دیکھا تو وہاں پر ایک پیاری سی سُنہرے رنگ والی اور نیلی نیلی آنکھوں والی چڑیا بیٹھی تھی۔

... لیکن لکڑ ہارے کو ننھی سی چڑیا پر ذرا ترس نہیں آیا۔ اُس نے سوچا کہ اگر میں سوکھے درخت کی تلاش میں نکلوں تو مجھے بہت چلنا پڑے گا۔ اور اگر یہ درخت نہ کاٹوں تو آج رات بھوکا رہنا پڑے گا۔ اِس چڑیا کا کیا ہے' یہ اپنا گھر کسی اور درخت پر بنا لے گی۔ اس خیال کے آتے ہی اُس نے پھر اپنی کلہاڑی سے درخت کے تنے پر ضرب لگائی۔

ایک بار پھر اس ننھی پیاری سی چڑیا نے احتجاج کیا" لکڑ ہارے دیکھو اگر تم نے یہ درخت کاٹ دیا تو میرا گھر بھی گر جائے گا اور پھر مجھے ایک ایک تنکا چُن کر نیا گھر بنانا پڑے گا سوچو میں کتنی تھک جاؤں گی" لیکن لکڑ ہارے کو تو اپنے رات کے کھانے کی فکر تھی اِس لیے اُس نے ننھی چڑیا کی بات سُنی اَن سُنی کر دی اور درخت کاٹنے لگا۔ بچّو! اب جیسے ہی لکڑ ہارے نے اپنی کلہاڑی درخت کے تنے پر زور سے ماری اُس لکڑ ہارے کا آدھا جسم پتھر کا ہو گیا۔ اب وہ نہ آگے جا سکتا تھا نہ پیچھے۔

ننھی چڑیا اُڑ کر اُس کے کاندھے پر بیٹھی اور کہا" لکڑ ہارے تم نے بہت خود غرضی سے کام لیا اور جو لوگ خود غرض ہوتے ہیں زندگی میں کبھی نہ کبھی اُن کے پیر پتھر کے بن جاتے ہیں اور نہ وہ آگے جا سکتے ہیں نہ ہی پیچھے کی طرف لوٹ سکتے ہیں تم نے نہ صرف خود غرضی کی بلکہ اپنے پیارے دوست طوطے کی بات بھی ٹالی ہے اور یہ اُس کی سزا ہے"۔ بچّو! اب تو لکڑ ہارا بہت گھبرایا اور ننھی چڑیا سے معذرت کرنے لگا، لیکن ننھی چڑیا نے اُس کی ایک بات نہ سُنی اور اُڑ گئی۔

اب ذرا طوطے کا حال بھی سنو، جب رات زیادہ ہو گئی اور لکڑ ہارا گھر نہیں پہنچا تو طوطا بہت فکر مند ہوا۔ لیکن وہ کر بھی کیا سکتا تھا کیونکہ وہ پنجرے میں بند تھا۔ وہ رات گئے تک دُعائیں کرتا رہا اور پنجرے سے آزاد ہونے کی ترکیبیں سوچتا رہا۔ جب آدھی رات بیت گئی تو طوطے نے دیکھا کہ اس گھاس پھوس کی بنی کُٹیا میں دھم سے ایک

بلّی آئی۔۔۔

طوطے کو فوراً ایک ترکیب سوجھی۔ اس نے بلّی کو آواز دی اور اُس سے درخواست کی کہ اس کے پنجرے کا دروازہ کھول دے تاکہ وہ اپنے لکڑ ہارے دوست کو تلاش کر سکے۔ بچّو! وہ بلّی بہت ہی اچھی تھی اُس نے طوطے کے پنجرے کا دروازہ کھول دیا اور طوطا لکڑ ہارے کی تلاش میں جنگل کی طرف اُڑ گیا۔ اپنے دوست لکڑ ہارے کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے صبح ہو گئی پر کہیں بھی اُسے اپنا دوست نظر نہیں آیا۔

طوطا لکڑ ہارے کی تلاش میں سرگرداں تھا کہ اُس کی نظر ایک چڑیا کے ننھے سے بچّے پر پڑی جو اپنے گھونسلے سے نیچے گر گیا تھا اور کہیں قریب اُس کے ماں باپ بھی نہیں تھے۔ طوطے نے جلدی سے اُس ننھے بچّے کو اپنی چونچ میں پکڑ کر گھونسلے میں رکھ دیا۔ بچّو! اُس ننھے بچّے کی ماں بھی اتنے میں آگئی اور اُس نے طوطے کا بہت بہت شکریہ ادا کیا۔ اور پوچھا کہ وہ اتنا پریشان کیوں ہے۔ طوطے نے ساری بات اس چڑیا کو بتائی۔ چڑیا نے طوطے کو تسلّی دی کہ وہ زیادہ پریشان نہ ہو اُسے معلوم ہے کہ اُس کا دوست لکڑ ہارا کہاں ہے۔ بس پھر کیا تھا طوطا فوراً چڑیا کے ساتھ ہو لیا تاکہ جلدی اپنے دوست کے پاس پہنچ جائے۔

بچّو! جیسے ہی طوطا لکڑ ہارے کے پاس پہنچا تو حیرت زدہ رہ گیا "ارے یہ کیا؟" اُس نے اپنے دوست لکڑ ہارے سے پوچھا۔ لکڑ ہارا بہت ہی شرمندہ تھا اُس نے طوطے کو بتایا کہ اُس سے کیا غلطی ہوئی تھی۔ طوطے نے کہا۔ دوست میں نہ کہتا تھا کہ بھوک کو کبھی کسی کی مجبوری پر ترجیح نہ دینا"۔ لکڑ ہارے نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا اس کے دوست طوطے نے کہا کہ وہ اُسے دوبارہ اصلی حالت میں لانے کی کوشش کرے گا۔ بچّو! چڑیا یہ ساری باتیں سُن رہی تھی اُس نے فوراً ہی طوطے سے کہا "میں اُس ننھی سنہری چڑیا کی اچھی دوست ہوں۔ میں اُسے کہوں گی کہ تمھارے دوست لکڑ ہارے کو اپنی اصلی شکل میں لا دے۔ کیونکہ تم نے میرے ساتھ نیکی اور ہمدردی کی ہے اور نیکی ہمیشہ ساتھ ساتھ چلتی ہے"۔

پھر یہ ہُوا کہ اُس ننھی چڑیا نے اپنی دوست چڑیا سے درخواست کی کہ وہ لکڑ ہارے کو دوبارہ چلنے پھرنے کے قابل بنا دے۔ سنہری چڑیا نے اپنی دوست کی بات مان لی اور لکڑ ہارے کو ٹھیک کر دیا اور کہا۔ "دیکھو لکڑ ہارے زندگی میں کبھی بھی خود غرضی سے کام نہ لینا۔ ہمیشہ وہ لوگ زندگی میں خوش رہتے ہیں جو دوسروں کے ساتھ ہمدردی سے پیش آتے ہیں۔ نیک کام کرتے ہیں اور لوگوں میں محبتیں تقسیم کرتے ہیں"۔

لکڑ ہارے نے سب سے وعدہ کیا کہ وہ آئندہ کبھی بھی اپنی بھوک کی خاطر بے رحمی سے کام نہیں کرے گا اور کوشش کرے گا کہ لوگ اُس سے خوش رہیں۔ اس کے بعد لکڑ ہارا اور اُس کا دوست طوطا اپنی کُٹیا کی طرف لوٹ گئے۔ گرم گرم کھانا کھانے اور میٹھی میٹھی باتیں کرنے۔

Habib Bank Limited

قائم شدہ ۱۹۴۱

# ہم ان کے درخشاں مستقبل کے خواہاں ہیں!

جیب بینک ایک ترقی پسند، متحرک،
جدید بینک ملک کے اندر ۱۸۰۰ سے زیادہ
اور بیرونِ ملک ۶۹ شاخوں، ۱۸۰۰ سے
زیادہ غیر ملکی نمائندوں، کمپیوٹر تنصیبات،
نت نئی اسکیموں اور سہولتوں کے ذریعے ملک
کے مستقبل کے لئے حتی المقدور کوشاں ہے۔
ہماری بچت کی اسکیمیں اور طالب علموں
کا خصوصی شعبہ بچوں اور طالب علموں میں
بچت کی عادت ڈالنے کے لئے ہمہ وقت
سرگرم عمل ہے۔
حبیب بینک ملک کی ترقی و خوشحالی کے لئے
نئی نسل کی سرپرستی کرتا ہے۔

## حبیب بینک لمیٹڈ

PID (I)/HBL/80/ 1 U

manhattan international

ام رباب جعفری

# دائرۂ معلومات

ہر سوال کا جواب ذیل میں دیے گئے چار اشاروں کی مدد سے دینا ہوگا۔ آپ کی سہولت کے لیے ہم نے ہر سوال کے درست جواب کو دائرے میں ہی کہیں لکھ دیا ہے اور کچھ اضافی نام بھی ساتھ ہی لکھ دیے ہیں۔ جن کا سوال سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مقابلے میں شرکت کا طریقہ یہ ہے کہ آپ دائرے میں اپنے مطلوبہ جواب پر سوال نمبر لکھ دیجئے اور اصل دائرہ کاٹ کر ۲۰ر دسمبر تک ہمیں بھیج دیجئے۔ دائرے کے بغیر جواب قابلِ قبول نہیں ہوں گے۔

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| انبیائے کرام | (۱) حضرت اسحٰقؑ | (۲) اسرائیل | (۳) حضرت یوسفؑ | (۴) گریہ |
| صحابۂ کرام | (۱) رباح | (۲) امیہ بن خلف | (۳) اذان | (۴) حضرت ابوبکرؓ |
| تاریخ اسلام | (۱) ۲۹ر مئی ۱۴۵۳ء | (۲) قسطنطنیہ | (۳) مراد ثانی | (۴) ۱۸۴۱ء |
| تاریخ پاک و ہند | (۱) میسور | (۲) ۱۷۲۱ء | (۳) ۱۷۸۲ء | (۴) ٹیپو سلطان |
| تحریکِ پاکستان | (۱) ۱۸۹۹ء | (۲) پشاور | (۳) ۱۹۵۷ء | (۴) مزارِ قائدِ اعظم |
| پاکستان کی عظیم شخصیات | (۱) پشاور | (۲) مرثیہ | (۳) پطرس بخاری | (۴) سرگزشت |
| پاکستان کے شہر | (۱) گرد | (۲) گرما | (۳) گدا | (۴) گورستان |
| عالم اسلام شخصیات | (۱) ۱۹۴۱ء | (۲) شاہ ادریس | (۳) یکم ستمبر ۱۹۶۹ء | (۴) اسٹیڈیم |
| عالم اسلام ممالک | (۱) پاکستان | (۲) ۱۹۷۱ء | (۳) ٹکہ | (۴) ۱۹۷۵ء |
| دنیا کے بڑے شہر | (۱) سوئٹزرلینڈ | (۲) ریڈکراس | (۳) گھڑیاں | (۴) لیگ آف نیشنز |
| عالمی شخصیات ۱ | (۱) جرمنی | (۲) فیوہرر | (۳) مین کیمپف | (۴) ۱۹۴۵ء |
| عالمی شخصیات ۲ | (۱) امریکہ | (۲) ۱۷۸۹ء | (۳) صدر | (۴) ۱۷۹۹ء |
| مشہور خواتین | (۱) ملکہ | (۲) ۱۸۳۷ء | (۳) انگلستان | (۴) ۱۹۰۱ء |

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| مسلم سائنسدان | (۱) ۱۸۹۷ء | (۲) حکیم اجمل خان | (۳) جامعہ کراچی | (۴) مصوّر |
| سائنس کی دنیا | (۱) ۱۷۹۱ء | (۲) ہمفرے ڈیوی | (۳) برق پاشیدگی | (۴) برقی امالہ |
| مشہور کھلاڑی | (۱) برازیل | (۲) فٹبال | (۳) سانتوز کلب | (۴) ۱۲۱۷ گول |
| عالمی ادب | (۱) آئرلینڈ | (۲) نوبل انعام | (۳) ڈرامہ نگار | (۴) ۱۹۵۶ء |
| اردو ادب | (۱) پانی پت | (۲) مدّوجزرِ اسلام | (۳) غالب | (۴) مقدمہ |
| علاقائی ادب | (۱) دیوان آشکارہ | (۲) عبدالوہاب | (۳) درازہ شریف | (۴) شاعرِ ہفت زباں |
| فنونِ لطیفہ | (۱) جرمن | (۲) موسیقار | (۳) بہرا | (۴) ۱۸۲۷ء |

ہو میرے دم سے یونہی میرے وطن کی زینت۔ جس طرح پھول سے ہوتی ہے چمن کی زینت
مستقبل کی بڑی ذمّہ داریوں کے لئے ابھی
سے اپنے ذہن کو تروتازہ اور جسم کو توانا رکھئے
غیر متوازن غذائیں انسانی جسم کی تمام
ضروریات پوری نہیں کرتیں۔
دودھ واحد غذا ہے جو انسانی جسم کو زیادہ
سے زیادہ قوّت فراہم کرتی ہے۔
سارے خواب پورے ہوں
سارے سُکھ پاؤ .... مگر
دُودھ تو پیو
قدرت کی عطا کردہ اِس انمول نعمت میں
کیلشیمؔ، پروٹین، وٹامنز اور بہت سے معدنی اجوار
شامل ہیں۔ دُودھ کا روزانہ استعمال۔ اچھّی صحت،
بیدار ذہن اور خوشگوار زندگی کی ضمانت ہے
دن میں دوبار دودھ پینا اپنی عادت بنالیجئے۔
چاہیں تو دُودھ میں چاکلیٹ
یا شربت ڈال کر پی سکتے ہیں۔
یوں گویا—
غذا کی غذا
مزے کا مزا
اِشتہار برائے بہبودِ اطفال: منجانب ماہنامہ آنکھ مچولی، کراچی

MASS

## دائرہ معلومات اکتوبر ۱۹۸۷ء کا درست حل

۱ خان محمد ۲ مدثر نذر ۳ ۱۸۶۴ء ۴ جاوید میانداد ۵ ایان بوتھم ۶ ایرک ہولیز
۷ امتیاز احمد ۸ ۱۲۵ ۹ ویوین رچرڈز ۱۰ فضل محمود ۱۱ مقصود احمد ۱۲ بریڈمین
۱۳ آسٹریلیا ۱۴ الیگزینڈر ۱۵ پاکستان ۱۶ روہن کنہائی ۱۷ رَوی شاستری
۱۸ اولڈٹریفورڈ ۱۹ کولن میکڈونلڈ ۲۰ ڈنیس للی

## چند ضروری ہدایات

دائرہ معلومات میں حصّہ لینے والے ساتھی چند ضروری باتوں کو ذہن میں رکھیں۔ جواب ارسال کرتے وقت آپ جو دائرہ کاٹ کر بھیجتے ہیں، اس میں موجود درست جواب پر نیلے بال پوائنٹ سے ترتیب وار نمبر لکھیں اور ساتھ ہی ایک جانب اپنا نام اور شہر کا نام بھی لکھیں، ادارے کی سہولت کے لئے ایک سادہ کاغذ پر بھی ترتیب وار درست جواب لکھ دیں۔ اس طرح آپ کے جوابات کا درست حل سے موازنہ کرنے میں ہمیں زیادہ آسانی رہے گی۔ لیکن ساتھ ہی اپنا نام اور مکمل پتہ لکھنا نہ بھولیں، کیونکہ اکثر ساتھیوں کا حل بالکل درست ہوتا ہے یا ایک غلطی ہوتی ہے، لیکن نام پتہ نہ ہونے کی وجہ سے وہ حل مقابلے میں شامل نہیں کئے جاتے۔ اس کے علاوہ جو ساتھی تصویر بھیجتے ہیں، وہ تصویر کی پشت پر نام ضرور لکھا کریں۔

اس بار ساتھیوں نے خلافِ توقع "کرکٹ کوئز" میں زیادہ دلچسپی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ سارے ساتھی کرکٹ میچ دیکھنے میں مگن تھے۔ بہت سے ساتھی چند سوالوں میں الجھن کا شکار ہوگئے، جس کی وجہ سے اکثر ساتھیوں کے جوابات غلط ہوئے اور صرف چار ساتھی درست حل تک پہنچ سکے لہٰذا ہم نے فیصلہ کیا کہ چاروں ساتھیوں کو انعام دیا جائے۔

## درست جوابات ارسال کرنے والے ساتھی جو انعام کے حقدار قرار پائے

- محمدّ شاہنواز رحیم ــــــ حیدرآباد (سندھ)
- محمدّ کامل ــــــ چوڑی پاڑہ۔ ٹنڈوالہ یار
- انیق صدف ــــــ شاہی بازار، حیدرآباد
- عاکف عالم خان ــــــ منگھوپیر روڈ۔ کراچی

## ایک غلط جواب ارسال کرنے والے ساتھیوں کے نام

- ندیم میمن، —— فقیر کا پڑ حیدرآباد • حفاظت علی خان —— برنس روڈ کراچی
- عاصم عبدالحمید بٹ —— گلشن اقبال کراچی • خرم عبدالحمید بٹ —— گلشن اقبال کراچی

○

# کیا آپ ناراض ہیں ؟

### اگر آپ

- اس لئے ناراض ہیں کہ آنکھ مچولی میں بھیجی ہوئی تحریر شائع نہیں ہوئی تو ذرا سوچیئے کہ ایسا کیوں ہوا؟
- کیا آپ کی تحریر نقل شدہ تھی ؟
- پہلے شائع ہو چکی تھی ؟
- صفحے کے دونوں طرف اور لائن چھوڑے بغیر لکھی گئی تھی ۔
- پنسل سے یا اتنے مشکل رسم الخط میں لکھی گئی تھی کہ پڑھی نہیں جا رہی تھی ؟
- چھوٹے پُرزوں پر لکھی گئی تھی ؟
- ایک ہی صفحے پر بہت سی تحریریں لکھی گئی تھیں ؟
- آپ کی تحریر کا اندازِ بیان، خیال اور اسلوب بچوّں کی نفسیات سے ہٹ کر تھا ؟
- آپ کی تحریر مشکل اور گنجلک تھی ؟
- آپ کی تحریر میں مقصدیت کا فقدان تھا ؟
- تو پھر سوچیئے کہ آپ کی تحریر کیونکر شائع ہو سکتی تھی ۔
- اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی تحریر شائع ہو تو اوپر بیان کی گئی تمام باتوں سے بچیں ۔
- یاد رکھیے ! بڑا ادیب بننے کے لئے مطالعہ اور مسلسل محنت بہت ضروری ہے ۔

(ادارہ)

# بوجھو تو جانیں؟

بلاکوں کے ان مجموعوں کو غور سے دیکھیے اور بتائیے کہ ہر مجموعے میں کتنے بلاک ہیں

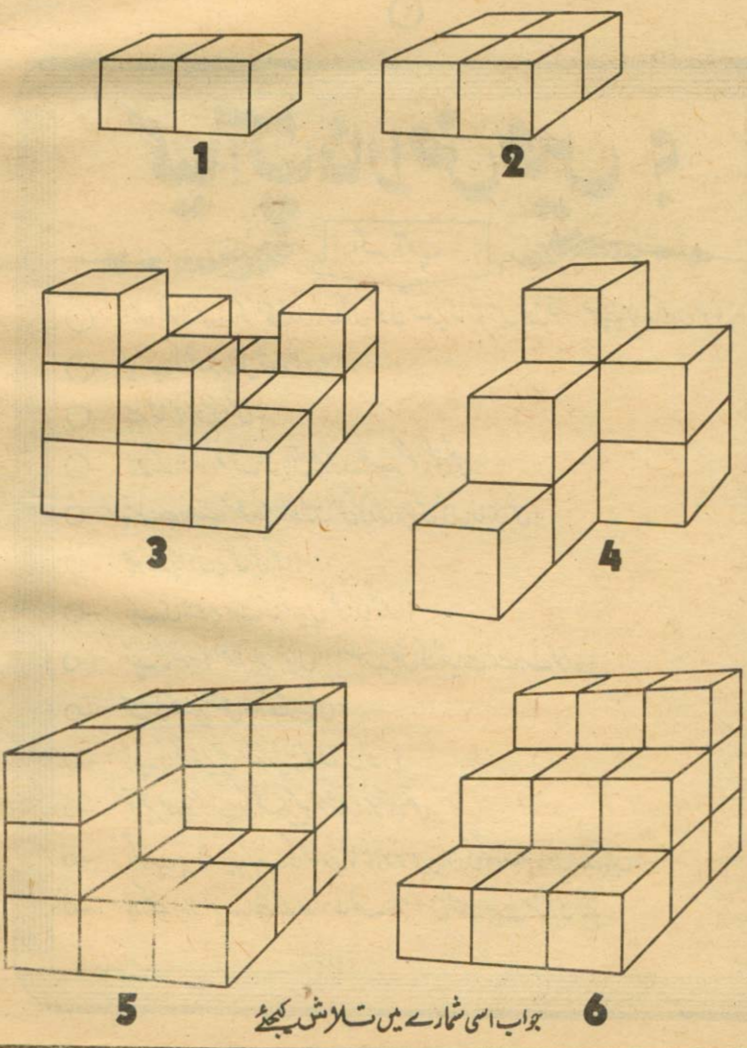


جواب اسی شمارے میں تلاش کیجیے

# انکل آئی کیو روبوٹ

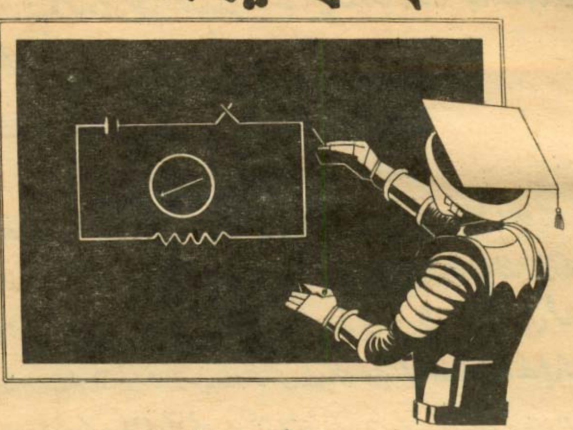

## سوالاً جواباً

○ ٹیلی فون کس کی ایجاد ہے۔؟

(کاشف جبار، لاہور)

کاشف صاحب ٹیلی فون گرام بیل نے مارچ ۱۸۷۶ء میں ایجاد کیا۔

○ انسان کا قد ایک خاص اونچائی تک جا کر رُک کیوں جاتا ہے؟

(جاوید اختر انصاری، اورنگی ٹاؤن)

جاوید صاحب یہ سوال تو بہت تفصیل طلب ہے اس وقت یوں سمجھ لیجئے کہ انسانی جسم عموماً تیزی کے ساتھ ابتدائی دنوں میں بڑھتا ہے یعنی دس سال کی عمر تک۔ پھر بتدریج اُس کے جسم کے بڑھنے کی رفتار میں کمی آجاتی ہے۔ عموماً بیس، پچیس سال کے بعد جسم کے بڑھنے کی رفتار کم ہو جاتی ہے بلکہ رُک جاتی ہے۔ دراصل جسم میں ایک خاص قسم کا ہارمون ہوتا ہے جو قد کو بڑھانے میں مدد دیتا ہے۔ یہ ہارمون ایک خاص عمر تک کام کرتا ہے تو عالم چنّا جیسے لوگ پیدا ہو جاتے ہیں۔ لیکن آپ تصوّر کیجئے کہ ایسے لوگوں کو کتنی مشکل پیش آتی ہوگی کچھ لوگوں میں اس ہارمون کی کمی ہوتی ہے ان کا قد بہت چھوٹا رہ جاتا ہے جیسا کہ آپ نے آنکھ مچولی کے اس شمارے میں ایک چھوٹے قد والے انسان کے بارے میں پڑھا ہوگا۔ تو جاوید صاحب یوں سمجھئے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا نظام انسانی جسم میں رکھا ہے جو انسان کو ایک

مناسب قد دیتا ہے۔ عام انسان کا قد ۴ فٹ سے لے کر سات فٹ ہوتا ہے کچھ لوگوں کا قد اس سے بھی چھوٹا یا بڑا ہوتا ہے لیکن ان کا شمار غیر معمولی لوگوں میں ہوتا ہے۔ اپنے قد کو لمبا کرنے کی سب سے اچھی ترکیب تو یہ ہے کہ ورزش کی جائے لیکن ورزش سے قد ایک یا دو انچ تک بڑھ سکتا ہے۔

### چمگادڑ الٹی کیوں لٹکتی ہے؟

(سید جاوید حیدر شاہ، سٹلائیٹ ٹاؤن راولپنڈی)

یہ بتانے سے پہلے کہ چمگادڑ الٹی کیوں لٹکتی ہے۔ میں آپ کو یہ بتا دوں کہ چمگادڑ کوئی پرندہ نہیں ہے یعنی اس کا تعلق پرندوں کی نسل سے نہیں ہے۔ اس کے باوجود اس کو ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کے لئے اڑنا پڑتا ہے۔ جبکہ پرندے اور کیڑے مکوڑے اڑنے کے علاوہ چل کر بھی ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتے ہیں لیکن چمگادڑ پرندوں میں شمار نہ کئے جانے کے باوجود چلنے سے معذور ہے اور اڑنے پر قادر ہے۔ کیونکہ اُس کے بازو اور پیر اس طرح کے نہیں بنے ہیں کہ وہ چل سکے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کھڑی بھی نہیں ہو سکتی۔ چمگادڑ کے آرام کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو کسی چیز سے ٹانگ لے۔ اسی لئے وہ الٹی لٹک جاتی ہے۔ چمگادڑ واحد دودھ پلانے والا جانور ہے جو اڑ سکتا ہے۔ وہ اپنے بچے کو لے کر شکار پر بھی جاتی ہے۔ چمگادڑ کو دن میں نظر نہیں آتا چمگادڑ رات میں جاگتی ہے اس لئے یہ دن میں سوتی ہے اور رات کو شکار کرتی ہے آپ کا خیال ہوگا کہ رات کو شکار کرنے کی وجہ سے چمگادڑ کی نظر بہت تیز ہوگی۔ نہیں ایسا ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ چمگادڑ جب اڑتی ہے تو اپنے منہ سے نہایت تیز قسم کی آواز نکالتی ہے جو انسانی کانوں کو نہیں سنائی دیتی۔ یہ تیز آواز جب کسی چیز سے ٹکرا کر واپس آتی ہے تو اس کی بازگشت سن کر چمگادڑ اپنا راستہ متعین کرتی ہے۔ بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ چمگادڑ عموماً ایک یا دو اقسام کی ہوتی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ چمگادڑ کی ۲ ہزار سے زیادہ نسلیں ہیں۔ یعنی چھ انچ پھیلے ہوئے بازوؤں سے لے کر چھ فٹ تک پھیلے ہوئے بازوؤں والی چمگادڑیں ہوتی ہیں۔

---

## بوجھو تو جانیں

(۱) ۲ (۲) ۴ (۳) ۱۴ (۴) ۸ (۵) ۱۹ (۶) ۱۸

قرآنی آیات، احادیث مبارکہ اور مقدس نام آپ کے مطالعے اور معلومات کے لئے شائع کئے جاتے ہیں۔ ان کا احترام اور انہیں بے حرمتی سے بچانا آپ کا دینی فرض ہے۔۔ اگر کوئی ایسا کاغذ کہیں گرا ہوا نظر آ جائے جس پر آیات، احادیث یا متبرک نام لکھے ہوتے ہوں تو آپ انہیں کسی محفوظ مقام پر رکھ دیں یا پاک صاف پانی میں بہا دیں۔

# سیرتِ طیبہ پر انعامی مقابلۂ مضمون نگاری کے نتائج

ربیع الاوّل کے مبارک مہینے کے حوالے سے ادارہ "آنکھ مچولی" نے حضورؐ کی سیرت کے مختلف پہلوؤں پر مقابلۂ مضمون نگاری منعقد کیا۔ ۲۰ نومبر تک ہمیں مقابلے کے لئے جو مضامین موصول ہوئے ان میں کراچی کی رضوانہ ظفر شیخ کے مضمون "حضورؐ کا بچپن" کو منصفین نے اوّل انعام کا مستحق قرار دیا ہے انہیں ادارے کی جانب سے دو سو روپے کی انعامی کتب ارسال کی جا رہی ہیں۔ جن ساتھیوں کے مضامین ہمیں اس مقابلے کے لئے موصول ہوئے ان کے نام ذیل میں دیئے جا رہے ہیں۔

۱ فوزیہ راحت مشہدی۔ لانڈھی ۲ محمد جاوید عبدالرؤف۔ رامسوامی ۳ جمیل احمد۔ ملیر ہالٹ کراچی
۴ شہلا پرمانی، کھتری پاڑہ، ٹنڈوالہ یار ۵ نساہارہ تحسین، لانڈھی کالونی، کراچی ۶ زرینہ عبدالقادر، ملیر ہالٹ، کراچی
۷ ظہیر الٰہی بابر، ریلوے کالونی، حیدرآباد، ۸ طیبہ شیخ، گلشن اقبال، کراچی، ۹ مسعود الرحمٰن، امیرآباد، ملتان
۱۰ عائشہ ہارون۔ کراچی ۱۱ محمد عمران چوہدری، سٹلائیٹ ٹاؤن، راولپنڈی ۱۲۔ عزیز اللہ رالیو، کندہ کوٹ، جیکب آباد
۱۳ محمد ریحان، اسلام آباد ۱۴ اسماء خلیل، نارتھ ناظم آباد، کراچی ۱۵ آسیہ، سعید آباد، کراچی ۱۶ جمال الدین، ڈرگ کالونی
۱۷ راجہ فرخ اختر، شاہی بازار، کراچی ۱۸ احسان الٰہی شاہد، کھیاڑے کلاں، شیخوپورہ ۱۹ سلطان بشیر، اسلام آباد،
۲۰ محمد ادریس قریشی، منڈی بہاؤالدین ۲۱ فیضان عثمانی، لانڈھی، کراچی ۲۲ صاعقہ بانو، شادمان ٹاؤن، کراچی
۲۳ پشم گل خان، جامشورو، حیدرآباد ۲۴ مہرین ناز تبسم کراچی، ۲۵ محمد امجد، منظور کالونی ۲۶ منصور بیگ، لیاقت بازار کوئٹہ
۲۷ اللہ داد شاہ، تربت، بلوچستان ۲۸ حفاظت علی خان، برنس روڈ کراچی ۲۹ محمد امین یحییٰ، ناظم آباد، کراچی
۳۰ کوثر داؤد ——— ۳۱ سید نوید اقبال زیدی، لطیف آباد، حیدرآباد، ۳۲ تہمینہ انوار، لیاقت آباد کراچی
۳۳ ریاست علی قائم خانی، کنڈیارو، نواب شاہ ۳۴ لبنیٰ یاسمین، گجرات ۳۵ طاہرہ شیخ، گلشن اقبال، کراچی
۳۶ میمونہ شیخ، گلشن اقبال کراچی، ۳۷ شاہ رخ، میرپورخاص ۳۸ محمد عمران سعید، اسٹیل ٹاؤن کراچی
۳۹ عاصم جمال، ڈرگ کالونی، کراچی ۴۰ منیر احمد فاضل، لاہور ۴۱ عظمت منتی، گلشن اقبال، کراچی

۴۲ فیصل عزیز، پاکستان چوک، کراچی ۴۳ اختر علی شیخ، ماڈل کالونی، کراچی ۴۴ جواد شفیق، گارڈن کالونی فیصل آباد ۴۵ للنیٰ زیدی، فیڈرل بی ایریا کراچی ۴۶ محمد رئیس، لانڈھی، کراچی ۴۷ یوسف جمال ملک رتی گیٹ پشاور ۴۸ احمد رضا، لیاقت آباد کراچی، ۴۹ شہناز اختر، جہلم، ۵۰ شہنشاہ بابر فاروق آباد بھاولنگر ۵۱ فرح ناز جیلانی روڈ، سکھر ۵۲ الیاس احمد مجتبیٰ راہوجہ روڈ سکھر ۵۳ محمد طارق بشیر، ناظم آباد، کراچی ۵۴ غضنفر علی، ابجزوان کراچی ۵۵ امجد علی، شالیمار ٹاؤن، لاہور۔ ۵۶ محمد آصف بشیر، لاہور ۵۷ جاوید رضوی کشمیر روڈ، راولپنڈی ۵۸ محمد اعجاز خان البدر روڈ ملتان، ۵۹ نرگس کھائی روڈ، حیدرآباد، ۶۰ عبدالسلام بلوچ، لیاری، کراچی ۶۱ غلام ربانی، صرافہ بازار، پشاور ۶۲ محمد امیر ظفر، کچھوہ، خانیوال ۶۳ عطاء الحسن، بہاولپور ۶۴ محمد انصار، اورنگی ٹاؤن، کراچی ۶۵ تجمل الیاس، امن آباد، لاہور ۶۶ محمد سعید عاصی، ڈیرہ اسمٰعیل خان ۶۷ انجم ظفر، میکلورڈ، لاہور، ۶۸ شہزادی نیلم، پشاور ۶۹ ممتاز علی، وحدت کالونی حیدرآباد ۷۰، فضلی شاہ، پشاور، ۷۱، محمد فیض الابرار سعید، اورنگی ٹاؤن، کراچی ۷۲، آصف اقبال، ناظم آباد، کراچی۔
۷۳، راحیل عبید، ناظم آباد کراچی۔ ۷۴، پرنس وسیم بن اشرف بوارا روڈ، میاں چنوں ۷۵، فرزانہ روحی، اورنگی، کراچی ۷۶، شائستہ عبدالستار، سان روڈ حیدرآباد، ۷۷، تسلیم اختر، مغلپورہ لاہور، ۷۸، اظہر الحسن، کورنگی، کراچی، ۷۹، ثمائلہ احسن اٹک کینٹ، ۸۰، محمد فیصل، پی آئی بی کالونی کراچی ۸۱، محمد رفیق، فیڈرل بی ایریا، کراچی ۸۲ ثمائلہ مجید، ملتان روڈ، کراچی ۸۳ حسن مہدی خراسانی، فیڈرل بی ایریا، کراچی، ۸۴ محمد ارشد الہدیٰ عادل، قصبہ کالونی، کراچی

---

## تبت

اس ملک کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ یہ دنیا کا بلند ترین ملک ہے۔ یہ جس سطحِ مرتفع پر واقع ہے اس کی سطحِ سمندر سے بلندی چار ہزار آٹھ سو چھتہر اعشاریہ آٹھ میٹر (سولہ ہزار فٹ) ہے۔ چند مقامات پر اس کی انتہائی بلندی چھ ہزار چھیانوے میٹر (بیس ہزار فٹ) تک ہے۔

## ہماری کائنات

ہماری کائنات اتنی وسیع و عریض ہے جس کا تصور ممکن ہی نہیں۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق اگر ہم ایک ایسے راکٹ میں سفر کریں جو بغیر رُکے اپنی پرواز جاری رکھے تو ڈھائی دن میں ہم چاند تک پہنچیں گے۔ جبکہ سورج تک پہنچنے میں تین ہفتے لگیں گے۔ قریب ترین ستارے تک پہنچنے میں پانچ لاکھ سال اور قریب ترین کہکشاں تک پہنچنے میں بیس ہزار ملین سال لگ جائیں گے۔

# ماہنامہ آنکھ مچولی

## اچھا پڑھیے

## آگے بڑھیے

آپ کی علمی ضرورت بھی ہے اور آپ کے ادبی ذوق کی تسکین بھی
اسے باقاعدگی سے پڑھنے کے لئے اور اس کے حصول کو آسان بنانے کے لئے

ہماری خصوصی بچت اسکیم میں شامل ہو جائیے

اس میں مالی منفعت بھی ہے اور علمی فائدہ بھی
اسے حاصل کرنے کی ذمہ داری ہم پر ڈال دیجئے

ماہنامہ آنکھ مچولی (خصوصی بچت اسکیم) گرین گائیڈ اکیڈمی ڈی۔ ۱۳ سائٹ کراچی نمبر ۱۶

---

## خصوصی بچت اسکیم

۱۲ شماروں کی قیمت (مع خصوصی شمارے) رجسٹرڈ ڈاک سے ۱۱۰/- ۹۰ روپے

۲۴ شماروں کی قیمت (مع خصوصی شمارے) رجسٹرڈ ڈاک سے ۲۲۰/- ۱۸۰ روپے

مالی فائدے کے علاوہ زحمت سے نجات رسالے کی بحفاظت ترسیل اور ۲ سالہ ممبر شپ پر قیمتی کتب بلا معاوضہ

- - - - - - - - - - - - - - - - - - - -

میں ماہنامہ "آنکھ مچولی کی خصوصی بچت اسکیم میں شامل ہونا چاہتا / چاہتی ہوں
اس کوپن کے ساتھ ۱۲/۲۴ شماروں کی قیمت مبلغ...... روپے کا بینک ڈرافٹ / پوسٹل آرڈر
منی آرڈر کی رسید منسلک ہے ــــ میرے نام حسبِ ذیل پتے پر ماہ ...... سے ماہنامہ
جاری کر دیا جائے۔

نام ____________________

مکمل پتہ ____________________

کوئی ضروری ہدایت ____________________

فون نمبر ____________ دستخط ____________

# راہنما کتابیں

## آپ اور آپ کے اہلِ خانہ کیلئے
## گرین گائیڈ اکیڈمی کے تحائف

**اِن کا مطالعہ —— علم بڑھائے گا**
**اِن کی موجودگی —— مفید ثابت ہو گی**

قرآنی حکایات کا ۱۰۴ صفحات پر مشتمل خوبصورت مجموعہ

اس کے حصول کے لئے ۱۰ روپے کا منی آرڈر بھجوائیں

خاکِ وطن سے سرزمین حرم تک، معلومات بھی راہنمائی بھی
حجاج اور زائرین کے لئے نادر تحفہ۔ ۲۰۳ صفحات

اسلام کی بنیادی معلومات جو آپ پر سیکھنا لازم اور سکھانا کارِ ثواب ہے۔ مولانا مفتی کفایت اللہ کی تالیف (چار حصے)

تعلیم الاسلام مفت حاصل کرنے کے لئے فی کتاب ۲ روپے کے ڈاک ٹکٹ بھجوائیں۔ رقم یا کم ڈاک ٹکٹ قابلِ قبول نہ ہوں گے

کتاب منگوانے کے لئے اِس پتے پر خط لکھیں۔

**گرین گائیڈ بک سیریز گرین گائیڈ اکیڈمی ۱۱۲ ڈی۔ سائٹ کراچی ۱۶**

# آنکھ مچولی مقابلہ ورلڈ کپ پیش گوئی کے نتائج

"کرکٹ اسپیشل" میں آنکھ مچولی ساتھیوں کو ورلڈ کپ میں کھیلے جانے والے میچوں کے سلسلے میں پیش گوئیاں کرنے کی دعوت دی گئی تھی جس میں ساتھیوں نے بہت بڑی تعداد میں حصّہ لیا۔ مگر افسوس کہ مقابلے کے شرکاء مکمل طور پر درست پیش گوئیاں نہ کر سکے۔ لہٰذا اعلان کے مطابق کم سے کم غلطیاں کرنے والے درج ذیل پچاس ساتھیوں کو انعامی کتب کا مستحق قرار دیا گیا ہے جنھیں دو سو روپے کی انعامی کتب روانہ کی جا رہی ہیں ۔

• محمد سلمان خان سنبل۔ بوریوالا • عرفان الحق صدیقی، ملیر کالونی، کراچی • اختری خان، نارتھ ناظم آباد، کراچی • علی زبیر، اعظم ٹاؤن، کراچی • نبیلہ شمشاد، گرین ٹاؤن، کراچی • پرویز اقبال، ماڈل کالونی، کراچی • محمد جعفر عبدالغفار، میٹھادر، کراچی • سعد جاوید، پی آئی بی کالونی، کراچی محمد اسلم قریشی، شاہی بازار، ملالی • سلطان بشیر۔ جی سکس فور، اسلام آباد • وزیر احمد خان، کریم آباد، کراچی • سید اظہر سعید کاظمی، شاداب کالونی، ملتان • محمد عرفان، لائٹ ہاؤس، کراچی • ناہیدہ خانم، نارتھ کراچی • شارق حنیف خان، لطیف آباد، حیدر آباد • صوبیہ رحمٰن، فیڈرل بی ایریا کراچی • صبا ممتاز، گلشنِ اقبال، کراچی • صائمہ ضمیر احمد، یونٹ نمبر ۱، حیدر آباد • محمد پرویز آرائیں، شیخو پورہ روڈ لاہور • شجاع علی شاہد، طارق آباد، راولپنڈی • شاہد وحید، لیاقت آباد، کراچی • پروین احمد، محمود آباد کراچی • اقبال احمد خاں، سیٹلائٹ ٹاؤن، راولپنڈی • فیصل سلیم، شاہ فیصل اسٹریٹ، ٹنڈو آدم • محمد اطہر شہزاد، ملیر کالونی، کراچی • محمد فاروق طیب، کھارادر، کراچی • خان منظور خان بیا، شیر شاہ کالونی، کراچی • نیاز علی خان، اسٹیل ٹاؤن شپ، کراچی • شہباز حسین، محلہ احمد نگر، پتوکی • پرنس شیر محمد، ایم اے جناح روڈ، سانگھڑ • جاوید عبدالرؤف، رامسوامی، کراچی • آصف سعید، ملیر کالونی، کراچی • طیب شاہ، شیر شاہ، کراچی • سید فرقان علی، گلشن اقبال، کراچی • شارق انوار، الاعظم اسکوائر، کراچی • حسن مہدی خراسانی، فیڈرل بی ایریا، کراچی • نعیم احمد قریشی، روہڑی • آصف رضا، شالیمار ٹاؤن لاہور • اسد علی خان، سیٹلائٹ ٹاؤن، سرگودھا • اختر حسین، پٹیل پاڑہ، کراچی • توصیف علی، ریلوے کالونی، ملتان • احمد کلیم قریشی، پولیس لائنز روڈ، ملتان • سیف اللہ، لانڈھی، کراچی • عمران احمد، لیاقت مارکیٹ، نوابشاہ • لکشمی چند چھابڑیہ، شاہی بازار گھوٹکی • فیصل اقبال، ناظم آباد، کراچی • عمر فاروق، نیو صادق بازار، رحیم یار خان • غلام حسین دشتی، تربت، مکران • جاوید اسلام کورنگی ۲/۲، کراچی • محمد اشرف، دھوبی محلہ، ساہیوال ۔

## پیش گوئی کے درست جوابات

| | | | |
|---|---|---|---|
| پہلے نمبر پر آنے والی ٹیم | آسٹریلیا | بہترین بیٹسمین | گراہم گوچ (انگلینڈ) |
| دوسرے نمبر پر - - - | انگلینڈ | بہترین بولر | میک درمیٹ (آسٹریلیا) |
| تیسرے نمبر پر - - - | انڈیا | بہترین آل راؤنڈر | عمران خان (پاکستان) |

# آؤ ملائیں ہاتھ

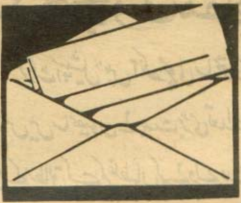

محمد ارشد خان ، چودہ سال

جماعت نہم، مشغلہ اچھی کتب کا مطالعہ

بڑے ہو کر بینک منیجر بننا چاہتا ہوں

پسندیدہ مضمون، مطالعہ پاکستان

۱/۹ بی ون ایریا، لیاقت آباد، ——— کراچی ۱۹

احمد علی ، بارہ سال

جماعت ششم، مشغلہ، پڑھنا لکھنا

بڑے ہو کر ڈاکٹر بننا چاہتا ہوں

پسندیدہ مضمون، حساب

محمد حنیف مٹیاری اسٹور، انڈس جوٹ ملز، دھابیجی

ثنار گلشن شاہ، پندرہ سال

جماعت نہم، مشغلہ، قلمی دوستی

بڑے ہو کر انجینئر بننا چاہتا ہوں

پسندیدہ مضمون، سائنس

۷۹۔ اقبال نگر، ہاشمی منزل، ٹوبہ ٹیک سنگھ

نور عالم ، تیرہ سال

جماعت ہشتم، مشغلہ فٹبال کھیلنا

بڑے ہو کر فوجی آفیسر بننا چاہتا ہوں

پسندیدہ مضمون، اردو

مکان نمبر ۱۵۳ گلی نمبر ۴، آفیسرز کالونی، لاہور کینٹ

وسیم عباس ، چودہ سال

جماعت ہفتم، مشغلہ، ہاکی کھیلنا

بڑے ہو کر وطن کی خدمت کرنا چاہتا ہوں

پسندیدہ مضمون، ڈرائنگ

گورنمنٹ ہائی اسکول، کھوڑ کیمپ، ——— ضلع اٹک

محمد نعمان الحق ، چودہ سال

جماعت ہشتم، مشغلہ، دوسروں کی مدد

بڑے ہو کر نیوی آفیسر بننا چاہتا ہوں

پسندیدہ مضمون، حساب

مکان نمبر ۲۸۶ بلاک ۱۰، منو کھانی لین، ——— حیدرآباد

یٰسین نصیب، پندرہ سال

جماعت ہشتم، مشغلہ قلمی دوستی

بڑے ہو کر فوجی افسر بننا چاہتا ہوں

پسندیدہ مضمون، اردو

مکان نمبر ۲۸، گلی نمبر ۱۷۳، چاہ جموں والا، ——— لاہور

محمد نعیم سرحدی، سولہ سال

جماعت ہشتم، مشغلہ، قلمی دوستی

بڑے ہو کر پائلٹ بننا چاہتا ہوں

پسندیدہ مضمون، انگلش

ہوٹل الحرمین، جی ٹی روڈ، بس اسٹینڈ ——— مینگورہ

حسن احمد ، سولہ سال
جماعت ہفتم، مشغلہ، میوزک سُننا
بڑے ہوکر انجینئر بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، فزکس
المدینہ میڈیکل اسٹور، بی ہائینڈ جیکب لائن، ـــــــ کراچی نمبر ۳

محمّد یونس ، بارہ سال
جماعت ہفتم مشغلہ، آنکھ مچولی پڑھنا
بڑے ہوکر پائلٹ بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون ۔ انگلش
معرفت المدینہ میڈیکل اسٹور، بی ہائینڈ جیکب لائن ـــــــ کراچی

سیّد نجم الحسن ، چودہ سال
جماعت نہم، مشغلہ ، مطالعہ کرنا
بڑے ہوکر پائلٹ بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، اسلامیات
کوارٹر نمبر ۴، ۵ / جی ایریا کورنگی ۵/۲ ـــــــ کراچی

سیّد نیاز الحسن ، پندرہ سال
جماعت نہم ، مشغلہ، کچھ نہیں
بڑے ہوکر ڈاکٹر بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، حساب
کوارٹر نمبر ۴، ۵ ، جی ایریا ، کورنگی ۵/۲ ـــــــ کراچی

محمّد اقبال ، بارہ سال
جماعت ہفتم، مشغلہ، ٹکٹ جمع کرنا
بڑے ہوکر اچھا شہری بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون ، انگلش
صوفی کریانہ اسٹور ، رحمٰن کالونی ـــــــ رحیم یار خان

ریاض احمد ، پندرہ سال
جماعت پنجم، مشغلہ، سکّے جمع کرنا
بڑے ہوکر فوجی بننا چاہتا ہوں۔
پسندیدہ، مضمون، اردو
فاطمہ منزل ل بہار کالونی ـــــــ کراچی ۵۲

شکیل احمد ، بارہ سال
جماعت ہفتم، مشغلہ، آنکھ مچولی پڑھنا
بڑے ہوکر ڈاکٹر بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون ، اردو
الیس الیس برادر بک سینٹر، شیر شاہ، اردو بازار ، ـــــــ کراچی

یوسف برکت ، چودہ سال
جماعت ہفتم، مشغلہ، کرکٹ کھیلنا
بڑے ہوکر پائلٹ بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، اردو
۳۹۶ ، محمود آباد، اعظم بستی ، ـــــــ کراچی

رفیق احمد ، تیرہ سال
جماعت نہم، مشغلہ، خدمتِ خلق
بڑے ہوکر پائلٹ بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون ، دینیات
محمّد حافظ صدیق، پوسٹ آفس لاوہ ـــــــ تحصیل تلہ گنگ ضلع چکوال

محمّد ثناءُاللہ شاہ ، چودہ سال
جماعت ہشتم، مشغلہ، قلمی دوستی
بڑے ہوکر ملک کی خدمت کرنا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون ، اُردو
۶۶۰ / ر اتفاق آباد ، براستہ پیر محل ، ـــــــ تحصیل کمالیہ

محمد اکمل شاکر، پندرہ سال
جماعت ششم، مشغلہ، ٹکٹ جمع کرنا
بڑے ہوکر شاعر بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، انگلش
معرفت حاجی رستم علی، صابر جنرل سٹور، پسنی، بلوچستان

شیر زادہ، چودہ سال
جماعت ہشتم، مشغلہ، کرکٹ کھیلنا
بڑے ہوکر قوم کی خدمت کرنا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، حساب
مکان نمبر ۱۵ا گلی نمبر ۱، محمدی مسجد پٹھان کالونی کراچی

عمران حیدر، گیارہ سال
جماعت پنجم، مشغلہ، کہانیاں پڑھنا
بڑے ہوکر ڈاکٹر بننا چاہتا ہوں۔
پسندیدہ مضمون، انگلش
مکان نمبر ۹۰۹ گلی نمبر ۲ ڈھیری حسن آباد، راولپنڈی،

جاوید اقبال، تیرہ سال
جماعت نہم، مشغلہ، مطالعہ کرنا،
بڑے ہوکر ڈاکٹر بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، ریاضی،
ملک کریانہ اسٹور ڈھوک منگٹال، بورنگ روڈ، راولپنڈی

عمران خان، بارہ سال
جماعت ہفتم، مشغلہ، کرکٹ کھیلنا
بڑے ہوکر کیا بنوں گا، ابھی نہیں سوچا
پسندیدہ مضمون، کچھ نہیں
۴/۲۳۰ مارٹن کوارٹرز، تین ہٹی، —— کراچی ۴

عبدالغفار، تیرہ سال
جماعت ہشتم، مشغلہ، قلمی دوستی۔
بڑے ہوکر ریلوے گارڈ بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، اردو
یٰسین جنرل اسٹور، امین بازار، —— سرگودھا

- قلمی دوستی کے اس کالم میں صرف اسکول کے طلبہ وطالبات شریک ہو سکتے ہیں۔
- کوپن اور تصویر کے بغیر تعارف شائع نہیں کیا جائے گا۔
- خراب اور نامکمل کوپن قابل قبول نہ ہوں گے۔
- طالبات قلمی دوستی کے لئے اپنی تصاویر نہ بھیجیں۔

نام ______ عمر ______ جماعت ______
مشاغل ______ اسکول میں پسندیدہ مضمون ______
بڑے ہوکر کیا بننا چاہتے ہیں ______ وجہ ______
پتہ ______

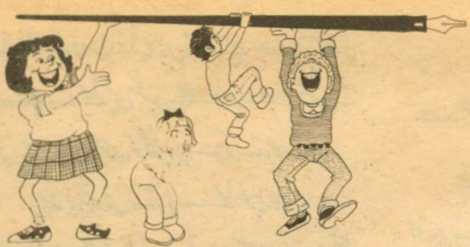

# نئی تحریریں

## پچھتاوا

محمد سعید عباس - ملیر توسیعی کالونی کھوکھراپار کراچی

ببلو بہت شریر لڑکا تھا وہ اپنے ماں باپ کا کہنا مانتا نہ بڑوں کا احترام کرتا، لاکھ سمجھاؤ مگر سمجھ کر ہی نہیں دیتا ایک کان سے سُنتا اور دوسرے کان سے اُڑا دیتا۔ سارا دن نت نئی شرارتیں کرنے میں گزار دیتا، اُس کی امّی اُسے بہت سمجھاتیں مگر وہ کب کس کی سُنتا تھا۔ ببلو تھا بھی بہت موٹا تازہ جو اُس سے پہلی بار ملتا بہت خوش ہوتا تھا، مگر جلد ہی اُس کی شرارتوں سے تنگ آجاتا تھا۔

ببلو کو اُس کی امّی صبح سویرے بستہ گلے میں ڈال کر اسکول بھیجتیں مگر وہ اسکول میں پڑھتا کم اور شرارتیں زیادہ کرتا ببلو کے دو تین دوست اور بھی تھے جو اسی کی طرح بدتمیز اور شرارتی تھے۔ ببلو میاں ان سب کے اُستاد مانے جاتے تھے وہ سب مِل کر اپنے ہم جماعت ساتھیوں کو تنگ کرتے رہتے تھے۔ کبھی کسی کا قلم چُرا لیتے، کبھی کسی کی کاپی یا کتاب غائب کر دیتے، اُن کی شرارتوں کی وجہ سے اساتذہ بھی تنگ آچکے تھے جس پر ہیڈ ماسٹر صاحب نے ببلو کے گھر دو دفعہ نوٹس بھیجا تھا کہ وہ اپنے لڑکے کو سمجھالیں ورنہ اُس کا نام اسکول سے خارج کر دیا جائے گا۔ ببلو کے امّی ابّو نے انھیں بہت سمجھایا، ڈرایا دھمکایا مگر ببلو میاں پر کسی بات کا اثر ہی نہیں ہوتا تھا۔ کچھ روز بعد، ببلو کی امّی کو معلوم ہوا کہ وہ اسکول نہیں جاتا بلکہ اپنے دوستوں کے ساتھ بستہ اُٹھا اِدھر اُدھر سیر کو نکل جاتا ہے تو وہ سوائے افسوس کے اور کچھ نہ کر سکیں ابّا جان نے ببلو پر سختی کی مگر وہ اس قدر بگڑ گیا تھا کہ اُس کی اصلاح کی کوئی امّید نظر نہیں آتی تھی۔ اس کی ان حرکتوں کی وجہ سے اسکول سے بھی اُس کا نام خارج کر دیا گیا۔

ایک دن ببلو اپنے شرارتی دوستوں کے ساتھ محلے کے پارک میں پہنچا اُس نے دیکھا کہ پارک کی دیوار کے ساتھ ایک نئی سائیکل کھڑی ہے۔ اُس نے اپنے دوستوں ٹنّو اور پپّو کی جانب دیکھا اور بولا "شاید اس سائیکل کا مالک کسی دکان پر گیا ہے کیوں نہ ہم یہ سائیکل اُڑا لیں اور اس پر سیر کریں"۔

"ہاں تم نے ٹھیک کہا اس طرح اس سائیکل کا مالک بھی بہت پریشان ہوگا، بہت مزا آئے گا" پپّو بولا، پھر وہ تینوں سائیکل لے کر ایک جانب چل دیے، اس طرح سائیکل پر گھومتے پھرتے شام ہوگئی۔

جب شام کو وہ تینوں واپس گھر جانے لگے تو مسئلہ پیدا ہوا کہ اس سائیکل کا کیا کریں، ابھی وہ سائیکل سے چھٹکارا حاصل کرنے کے بارے میں سوچ بچار کر ہی رہے تھے کہ سامنے سے اُن کے محلّے میں رہنے والے شیخ صاحب اُنھیں اپنی جانب

آتے نظر آئے وہ ریٹائرڈ پولیس آفیسر تھے۔ اور اپنے غصّے کی وجہ سے پورے محلّے میں مشہور تھے وہ سیدھے ان تینوں کے پاس پہنچے اور ان تینوں کو گدّیوں سے پکڑتے ہوئے کہا۔

"پہلے تو شرارتیں کرکے پورے محلّے کو پریشان کرتے رہتے تھے، اب چوری بھی کرنے لگے ہو، صبح میں اپنی یہ سائیکل پارک کی دیوار کے ساتھ کھڑی کرکے ضروری کاغذات کی فوٹو اسٹیٹ کرانے کے لیے سامنے دکانوں میں گیا اور تم سائیکل لے کر چمپت ہوگئے اب تو میں تم لوگوں کو سائیکل چوری کرنے کے جرم میں تھانے لے جاؤں گا" شیخ صاحب بولے، اتنے میں وہاں کافی لوگ جمع ہوگئے ان تینوں نے بہت قسمیں کھائیں کہ اُنھوں نے سائیکل چوری نہیں کی مگر شیخ صاحب اُن کی ایک بات بھی سُننے کو تیار نہیں تھے ادھر جب یہ خبر ببلو اور ٹِلو اور پپّو کے محلّے میں پہنچی تو محلّے والوں کے دلوں میں اُن کے خلاف نفرت پیدا ہوگئی۔ ان لوگوں نے اپنے بچّوں کو تاکید کی کہ خبردار جو اُن تینوں کے ساتھ کوئی کھیلا، اِدھر ان تینوں کے ماں باپ وہاں پہنچ گئے جہاں شیخ صاحب تینوں کو تھانے لے جانے پر تُلے ہوئے تھے۔ انھوں نے شیخ صاحب کی مِنّتیں کیں آخرکار شیخ صاحب کو ان تینوں کے ماں باپ پر رحم آگیا اور انھوں نے تھانے میں رپٹ درج کرانے کا فیصلہ بدل دیا۔ اس طرح وہ تینوں اپنے گھروں کو واپس پہنچے۔۔۔

ایسی شرارت نہ کیا کریں جس سے کسی کو تکلیف پہنچے اور آپ کی بدنامی ہو اور کہیں آپ کو بھی ببلو اور اس کے ساتھیوں کی طرح پچھتانا پڑے

# سزا

محمد انجم مبین ——— ڈیرہ اسماعیل خان

حامد بہت شرارتی بچّہ تھا۔ جانوروں کو تنگ کرنے اور پرندوں کے چھوٹے چھوٹے بچے پکڑنے میں اُسے بہت مزا آتا تھا۔ اس کے امّی ابّو نے اُسے سمجھانے کی بہت کوشش کی لیکن وہ باز نہ آیا۔ ایک دن اس کے ہاتھ بلّی کا بچّہ لگ گیا۔ بس پھر کیا تھا حامد نے اس کے گلے میں رسّی باندھی اور دن بھر اُسے گلی میں گھسیٹتا پھرا اور آخر بلّی کا بچّہ مر گیا۔ اُس دن جب حامد رات کو سونے کے لیے اپنے کمرے میں لیٹا تو اُسے نیند نہیں آرہی تھی۔ اچانک کمرے کا دروازہ آہستہ سے کھلا اور ایک بلّی اندر داخل ہوئی پھر تو بلّیوں کی قطار لگ گئی۔ جب کمرے میں تقریباً پندرہ بیس بلّیاں آچکیں تو دروازہ بند ہوگیا اب بلّیاں حامد کے پلنگ کے چاروں طرف کھڑی ہوگئیں ان کی سُرخ سُرخ آنکھیں حامد کو گھور رہی تھیں۔

"اسی نے میرے بچّے کو مارا ہے" اچانک ایک بلّی نے کہا۔ حامد کی خوف سے گھگھی بندھ گئی اس نے لرزتے ہوئے کہا" مجھے معاف کردو آئندہ میں کبھی شرارت نہیں کروں گا۔"

"نہیں ہم تمھیں نہیں چھوڑیں گے۔" اور اُن کے تیز پنجے حامد کا چہرہ نوچنے کے لیے بڑھے۔ حامد بُری طرح چیخ رہا تھا۔ اچانک حامد کی آنکھ کُھل گئی اس کے امّی ابّو اس کے سرہانے کھڑے اس سے چیخنے کی وجہ پوچھ رہے تھے۔ حامد نے آئندہ شرارت سے توبہ کرلی۔

# پیسے کا کرشمہ

مومی حسن ——————— کوئٹہ

کسی گاؤں میں فضلو نام کا ایک غریب لکڑہارا رہتا تھا۔ اُس کی ایک ہی بیٹی تھی جس کو کم نظر آتا تھا۔ ایک دن لکڑہارے کی بیوی نے اس سے کہا "تم نوکری کیوں نہیں کر لیتے۔ شہر جاؤ اور کام تلاش کرو۔" اگلی صبح وہ سفر پر چل پڑا۔ راستے میں ایک جنگل پڑتا تھا۔ لکڑہارا جب جنگل میں پہنچا تو اُسے ایک محل نظر آیا جس میں بے شمار کمرے تھے۔

---- ایک کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اور اس پر چق لٹک رہی تھی۔ فضلو کمرے میں داخل ہونا چاہتا تھا مگر اُسے ڈر تھا کہ کہیں کسی بھوت وغیرہ سے پالا نہ پڑ جائے۔ اس لیے وہ بار بار چق اٹھاتا اور چھوڑ دیتا۔ تین دفعہ یہ عمل کرنے کے بعد وہ اللہ کا نام لیتے ہوئے کمرے میں داخل ہو گیا۔

اندر تخت پر ایک حسین و جمیل شہزادی بیٹھی ہوئی تھی لکڑہارا اُسے دیکھ کر بے ہوش ہوتے ہوتے بچا۔ جب شہزادی کی نظر فضلو پر پڑی تو مارے غصّے کے اس کا چہرہ سُرخ ہو گیا۔ شہزادی نے نہایت غضبناک لہجے میں پوچھا "کون ہو تم اور بغیر اجازت اندر کیسے آئے؟"

لکڑہارا سہم گیا اور کہنے لگا "خدا کے واسطے پہلے میری بات سُن لیجئے پھر چاہے مجھے قتل کر دیں۔ میں غریب آدمی ہوں، میری ایک بیوی اور بیٹی ہے۔ آج تیسرا دن ہونے کو آیا ہے کہ ہم نے کچھ نہیں کھایا۔ خُدا کے لیے میری مدد کیجئے" لکڑہارے کے گڑگڑانے سے شہزادی کا دل پسیج گیا اُس نے تخت کے نیچے ہاتھ ڈال کر ایک تھیلی نکالی اور کہنے لگی "یہ دو ہزار اشرفیاں لو اور دوبارہ یہاں مت آنا" لکڑہارا اشرفیاں لے کر چلا گیا۔ جب وہ گھر پہنچا تو لکڑہارے کی بیوی نے روٹیاں پکا رکھی تھیں مگر دونوں ماں بیٹی گھر میں موجود نہیں تھیں۔ لکڑہارا حیران تھا کہ اشرفیاں کہاں چھپائے، چولھے میں راکھ باقی تھی۔ چنانچہ اُس نے اشرفیاں راکھ میں چھپا دیں اور بیوی کو بُلانے چلا گیا۔

اِدھر لکڑہارا گیا، اُدھر راکھ چُننے والی بڑھیا آ گئی اُس نے جب راکھ اُٹھائی تو اشرفیاں بھی اُس کے ہتھے چڑھ گئیں اور وہ خوش خوش چلتی بنی۔ لکڑہارا اپنی بیوی اور بیٹی سمیت گھر آیا۔ تو چولھا خالی پڑا تھا۔ لکڑہارا رونے لگا۔

بیوی اور بیٹی کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ ایک دن میں دو ہزار اشرفیاں کیسے کما سکتا ہے۔ چنانچہ لکڑہارے نے بیوی کو ساری کہانی سنائی۔ بیوی نے کہا "ایک بار پھر چلے جاؤ" پہلے پہل تو لکڑہارا نہ مانا پھر وہ چل پڑا۔ جب محل میں پہنچا اور کمرے میں داخل ہوا تو شہزادی غصّے سے لال پیلی ہو گئی۔ فضلو نے ساری کہانی سنائی۔ شہزادی نے اپنے گلے کی مالا اُتار کر اُسے دے دی۔

شہزادی نے پھر تنبیہہ کی کہ وہ دوبارہ نہ آئے۔ فضلو مالا لے کر خوشی خوشی گھر پہنچا۔ مالا دیکھ کر بیوی بیٹی بھی بہت خوش ہوئیں۔ بیٹی نے کہا "ابّا مجھے اندر صحیح نظر نہیں آ رہا۔ باہر جا کر دیکھتی ہوں" یہ کہہ کر بیٹی مالا باہر لے آئی۔ وہ ابھی مالا دیکھ ہی رہی تھی کہ چیل نے جھپٹا مارا اور مالا لے کر اُڑ گئی۔ سب بہت روئے، مگر خدا کے کاموں

ئں کون دخل دے سکتا ہے۔ بیوی نے لکڑ ہارے کو پھر شہزادی کے پاس بھیجا۔ جب لکڑ ہارا وہاں پہنچا تو شہزادی غصّے میں تخت سے کھڑی ہوگئی لکڑ ہارے نے ساری بپتا سنائی۔ اس مرتبہ شہزادی نے اُسے پارس پتّھر دیا۔ پارس وہ پتّھر ہے، جس سے لوہے کو چھوئیں تو وہ سونا بن جاتا ہے۔ فضلو خوشی خوشی چل پڑا اُسے خیال آیا کہ یہ راستہ منحوس ہے مجھے کوئی اور راستہ اختیار کرنا چاہیے چنانچہ وہ دوسرے راستے پر چل پڑا۔ اس راستے میں ایک ندی پڑتی تھی جس کے پار فضلو کا گاؤں تھا۔ فضلو نے پتھر کو اپنی دھوتی میں باندھ لیا اور ندی تیر کر اُس پار پہنچا مگر وہاں پہنچ کر پتہ چلا کہ گرہ کھُل جانے کی وجہ سے پتھر ندی میں گر گیا تھا وہ بہت رویا اور وہیں سے شہزادی کے پاس گیا۔ اس مرتبہ شہزادی نے غصّہ نہیں کیا اور نرمی سے کہنے لگی: "تمھارے پاس کوئی پیسہ ہے ؟"

فضلو نے کہا "ہاں دو پیسے ہیں۔"

شہزادی نے کہا "لاؤ مجھے دو۔" پھر بولی "میرے پیچھے پیچھے آؤ اور ہاں اس دوران میں مجھ پر جو ظلم ہو، تم خاموشی سے دیکھتے رہنا اور کچھ نہ کہنا، جس جگہ میں جا رہی ہوں، وہاں سے تمھیں جو کچھ ملے، نہ اُٹھانا اور خاموشی سے چلتے بننا۔" شہزادی نے فضلو کو کئی مرتبہ تاکید کی۔ چلتے چلتے وہ ایک بوسیدہ سے کمرے کے قریب رُک گئے۔ شہزادی نے اُسے ایک بار پھر تاکید کی اور اندر آنے کو کہا۔ جب فضلو اندر گیا تو دیکھا کہ وہاں ایک نہایت ہی ضعیف العمر آدمی دُنیا و مافیہا سے بے خبر گہری نیند سویا ہوا ہے۔

شہزادی نے اُس بوڑھے کو اٹھایا۔ اُسے دو پیسے دیے اور کہنے لگی: "اسے کچھ دو اور رُخصت کرو۔" بوڑھا بہت غُصّے میں تھا۔ اُس نے وہی دو پیسے لکڑ ہارے کو پکڑائے پھر شہزادی کو مارنے لگا۔ فضلو کھڑا دیکھتا رہا، مگر شہزادی چیختی رہی: "چلے جاؤ چلے جاؤ۔" چنانچہ فضلو چلا گیا۔ راستے میں اُس نے ایک پیسے کی مچھلی خریدی اور بیوی کو دے دی۔ بیوی نے کہا مصالحہ بھی لاؤ، چنانچہ وہ مصالحہ لینے چلا گیا۔ واپسی پر فضلو کو ایک ایسا درخت نظر آیا جس پر چیل کا گھونسلہ تھا۔ فضلو تو اُسی دن سے چیلوں کا دُشمن بن گیا تھا وہ بڑے زور سے چلّایا "چور پکڑا گیا۔" اور۔۔۔ درخت پر چڑھ گیا اُس نے اپنی مالا اُٹھائی اور نیچے آ گیا۔

اُس درخت کے نیچے اُسی بڑھیا کا گھر تھا اور وہ نیچے کھڑی رو رہی تھی "نہیں بھائی میں نے تمھاری اشرفیاں جان بُوجھ کر نہیں چُرائی تھیں۔" پھر بڑھیا نے اشرفیاں اُسے دے دیں۔ لکڑ ہارا خوشی خوشی گھر پہنچا تو بیوی اور بیٹی بہت خوش تھیں۔ اُن کے ہاتھ میں سونے کی چھُری تھی۔ دراصل یہ وہی مچھلی تھی، جس نے فضلو کا پارس پتّھر نگل لیا تھا۔ پس جب بیوی نے اُس کا پیٹ کاٹا۔۔۔ تو چھُری پارس سے ٹکرائی اور سونے کی بن گئی۔ لکڑ ہارے کو تینوں چیزیں ایک ہی دن میں مل گئی تھیں۔ چنانچہ اُس نے محل بنوایا اور خوشی خوشی رہنے لگا۔

ایک دن فضلو کو خیال آیا کہ کیوں نہ شہزادی کا پتہ کروں۔ اُس نے بے شمار قیمتی تحفے ہاتھیوں، گھوڑوں اور اُونٹوں پر لادے اور محل کی طرف چل پڑا مگر شہزادی نے

تحفے لینے سے انکار کردیا۔ پھر فضلو نے بوڑھے کے متعلق پوچھا تو وہ کہنے لگی "وہ دراصل تمھاری قسمت تھی اور برسوں سے سوئی ہوئی تھی۔ اب وہ برسوں جاگی رہے گی" اس کے بعد لکڑ ہارا مرتے دم تک خوش و خرّم زندگی بسر کرتا رہا۔

## تین مُورتیاں

سعدیہ ضیاء ——— بصیر پور

ایک شخص بادشاہ کے پاس تین مُورتیاں لایا اور عرض کیا کہ حضور ان مورتیوں میں سے معلوم کریں کہ یہ ایک دوسرے سے کس بات میں مختلف ہیں' بادشاہ نے انھیں غور سے دیکھا، لیکن اس کو ان میں کوئی فرق نظر نہ آیا۔ اس نے کہا ان میں کوئی فرق نہیں ہے بالکل ایک جیسی ہیں رنگ، روغن اور ناک نقشے میں بھی تینوں یکساں ہیں، وہ شخص بولا، حضور ان میں فرق ہے۔ بادشاہ نے مورتیاں اپنے وزیر کو دے دیں کہ دیکھو شاید تم ان میں کوئی فرق معلوم کرسکو۔ وزیر نے انھیں تول کر دیکھا وہ وزن میں بھی برابر تھیں پھر اُس کی لمبائی موٹائی وغیرہ کو ماپا گیا ان میں بھی کوئی فرق نہیں تھا اسی طرح تین چار اور امیروں وزیروں نے بھی مورتیوں کو دیکھا، لیکن کسی کو بھی ان میں کوئی فرق معلوم نہ ہوا۔ اب تو بادشاہ کو غصّہ آگیا۔ اس نے کہا اب تم بتاؤ ان میں کیا فرق ہے اگر تم نہ بتا سکے تو تمھیں سزا دی جائے گی۔ اس شخص نے جیب سے ایک تار نکالی جو بال سے بھی زیادہ باریک تھی اس نے ایک مورتی کے ایک کان میں تار ڈالی تو وہ دوسرے کان سے باہر نکل گئی وہ شخص بولا۔ حضور! کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو کسی بات کو ایک کان سے سُن کر دوسرے کان سے نکال دیتے ہیں یہ مورتی انسانوں کے ایسے طبقے کی نشاندہی کرتی ہے۔ اب اس نے دوسری مورتی کو ہاتھ میں لے کر اس کے کان میں تار ڈالی تو وہ اس کے منہ کے رستے باہر نکل آئی" اس شخص نے کہا حضور! یہ مورتی ان لوگوں کی نمائندگی کرتی ہے جو کہیں سے کوئی بات سُن کر اُسے کسی دوسرے کو ضرور سناتے ہیں۔ اب اُس نے تیسری مورتی کو پکڑا اور اُس کے کان میں تار ڈالی وہ تار کسی طرف سے بھی باہر نہ نکلی۔ اس شخص نے عرض کیا۔ حضور! یہ انسانوں کی وہ قسم ہے جو بات سُن کر اُسے ذہن میں محفوظ کرلیتے ہیں، اور بات سُن کر کسی اور کو سُنانے کی ضرورت نہیں سمجھتے یہ فرق ہے ان مورتیوں میں! بادشاہ ان باتوں سے بہت خوش ہوا۔ اور اُسے بہت سا انعام دے کر رخصت کیا۔

## کالے مفلر والا چور

مُرسلہ، سعدیہ یونس ھوتی مردان

یہ واقعہ میں آپ کو اس وقت کا سُنا رہی ہوں۔ جب مجھ پر جاسوسی کا بھوت سوار تھا۔ اور ہر وقت کوئی نہ کوئی کارنامہ انجام دینا میرے سر پر سوار رہتا تھا۔ ایک دفعہ میں اپنی چچی کے گھر سے آرہی تھی چونکہ سخت سردیوں کے دن تھے اس لیے گلی سُنسان پڑی تھی۔ ابھی میں گلی کا موڑ مُڑ ہی رہی تھی کہ مجھے سامنے ایک آدمی نظر آیا۔ اس گلی میں ایک بلب بھی لگا ہوا

تھا جو کہ روشن بھی تھا۔ اس بلب کی روشنی میں میں نے اس آدمی کا چہرہ دیکھ لیا اس کے چہرے پر کالے رنگ کا کپڑا بندھا ہوا تھا۔ اور صرف آنکھیں نظر آ رہی تھیں۔ وہ اس وقت ایک گلی میں مُڑ رہا تھا۔ اتفاق سے وہ گلی ہماری ہی تھی۔

یہ دیکھ کر تو میری جان ہی نکل گئی۔ لیکن فوراً ہی مجھے خیال آیا کہ ضروری نہیں کہ یہ کوئی چور ہو۔ پھر میں نے سوچا کہ اس سخت سردی میں بھلا یہ کیا کرنے نکلا ہے۔ میں نے یہ جاننے کا ارادہ کیا۔ میں نے سوچا کہ اُسے گرا کر اس کے بازوؤں پہ کھڑی ہو جاؤں گی۔ میں ہمت کر کے اپنے ارادے کو پورا کرنے کے لیے آگے بڑھی اور اس کی ٹانگ میں ٹانگ اڑا کر اُسے گرا دیا۔ میں نے دیکھا کہ اس نے کالے نقاب کی بجائے کالا مفلر لپیٹا ہوا تھا۔ میں نے فوراً اس کے چہرے سے مفلر ہٹا دیا اور جیسے ہی میں نے مفلر اس کے چہرے سے ہٹایا تو مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا۔ وہ کوئی چور یا ڈاکو نہیں بلکہ بھیا تھے۔ اور اس کے ساتھ ہی میں اُٹھ کر گھر کی طرف بھاگی۔ کیوں کہ مجھے پتا تھا کہ اب میری خیر نہیں ہے۔ بھیّا نے بھی مجھے دیکھ لیا تھا ان کے ہاتھ میں گرم گرم تنور کی روٹیاں تھیں جو کہ میرے گرانے سے گر گئیں تھیں۔ بھیّا نے کالا مفلر پہنا ہوا تھا جو کہ انہوں نے سردی کی وجہ سے کانوں اور مُنہ کے گرد لپیٹا ہوا تھا۔ جسے میں کالا نقاب سمجھ بیٹھی تھی میں بھاگتے بھاگتے گھر کے سامنے پہنچ گئی میں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اور فوراً گھر میں گھُس گئی اور سیدھی اپنے کمرے میں آ کر دروازہ بند کر کے بیٹھ گئی اُس رات میں نے کھانا بھی نہ کھایا اور بغیر کھانا کھائے سو گئی صبح اُٹھی تو اسکول کی وجہ سے ڈرتی ڈرتی باہر نکلی۔ بھیا مُنہ ہاتھ دھو کر غسل خانے سے نکل رہے تھے۔

جونہی مجھے دیکھا تو تیر کی طرح میرے قریب آئے اور مجھے پکڑ لیا۔ میں ان کی پُھرتی دیکھ کر حیران رہ گئی۔ اس لیئے مجھے بھاگنے کا موقعہ ہی نہیں ملا۔ پھر جو ہوا وہ آپ نہ ہی پوچھئے تو بہتر ہے۔ لیکن اتنا سُن لیجئے کہ اس دِن کے بعد میں نے جاسوسی کرنے سے ہمیشہ کے لیئے توبہ کر لی۔

## میرا بھائی

فوّاد میرا بھائی ہے
کھلونوں کا شیدائی ہے
جب بھی وہ بازار جائے
کھلونے بے شمار لائے
عاشی کو وہ تنگ کرے
نادی سے بھی جنگ کرے
ٹافی چیونگم ہی وہ کھائے
کھانے کو نہ ہاتھ لگائے
فوّاد کی یہ کہانی ہے
جو نادی کی زبانی ہے

نادیہ اصغر، ڈیفنس آفیسرز کالونی پشاور کینٹ

# سچی خوشی

مرسلہ: عنبر اسلم راجہ، میرپور آزاد کشمیر

حنا، سندس کی کلاس میں نئی نئی آئی تھی سندس کو حنا بہت پسند آئی، وہ حنا کے پاس گئی اور بولی! آپ مجھے بہت پسند آئیں۔ میں آپ کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانا چاہتی ہوں، حنا نے بُرا منہ بنایا اور بولی۔ میری کوئی دوست نہیں۔ پہلے جو بنے ہوئے تھے ان کو بھی دیکھ لیا۔ اب تم کیا کروگی، یہ کہہ کر وہ باہر چلی گئی، سندس وہیں حیران بیٹھی رہی، مگر وہ روزانہ کوشش کرتی کہ حنا سے کس طرح دوستی کرے آخر ایک دن حنا سے اُس نے پوچھ ہی لیا کہ کیا وجہ ہے؟ حنا بولی! میری ایک سہیلی تھی دُونیا وہ مجھ سے رُوٹھ گئی ہے اور میں نے اس کو منانے کی بہت کوشش کی، مگر وہ نہیں مانی۔ پھر میں نے وہ اسکول چھوڑ دیا۔ سندس بولی! تم مجھے دُونیا کا پتہ دو۔ حنا نے کہا کوئی فائدہ نہیں۔ سندس نے کہا کہ تم مجھ پر اعتماد کرو۔ مجھے اس کا پتہ دے دو۔ حنا نے دونیا کا پتہ اس کو دے دیا۔ سندس دونیا کے گھر گئی اور بولی! میں حنا کی طرف سے آئی ہوں۔ حنا نے بہت بُری حالت بنائی ہوئی ہے، دونیا تڑپ اٹھی اور بولی مجھے حنا کے پاس لے چلو۔ سندس نے حنا اور دونیا کو ملوایا۔

سندس آج بہت خوش تھی۔ حنا اور دونیا ایک دوسرے سے مان گئیں تھیں انہوں نے سندس کا شکریہ ادا کیا اور اس کو بھی اپنی سہیلی بنالیا، سندس کو آج دو اچھی اور پیاری سہیلیاں مل گئیں تھیں۔ آج اسے سچی خوشی حاصل ہوئی تھی۔

# حضرت ابوبن ادھمؒ اور فرشتہ

مرسلہ: صیفہ ناز کراچی

حضرت ابوبن ادھمؒ ایک بزرگ تھے۔ ایک رات وہ اپنے کمرے میں گہری نیند سو رہے تھے کہ اچانک ان کی آنکھ کُھل گئی وہ جاگے اور دیکھا کہ ایک فرشتہ ایک کتاب میں کچھ لکھ رہا تھا کمرہ چاند کی روشنی میں بہت خوبصورت دکھائی دے رہا تھا۔ ابو نے فرشتے سے پوچھا کہ وہ کیا لکھ رہا ہے۔ فرشتے نے جواب دیا کہ وہ ان لوگوں کے نام لکھ رہا ہے جو اللہ سے محبت کرتے ہیں۔ ابو نے پوچھا کیا ان کا نام اس میں ہے فرشتے نے نفی میں جواب دیا۔ حضرت ابوبن ادھمؒ نے درخواست کی کہ وہ ان کا نام اس فہرست میں لکھ لے جو اس کے بندوں سے محبت کرتے ہیں۔ فرشتے نے ان کا نام لکھا اور غائب ہو گیا۔ اگلی رات فرشتہ ایک بڑی چکا چوند پیدا کرنے والی روشنی کے ساتھ دوبارہ آیا اور ان کو ان لوگوں کی فہرست دکھائی جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے نوازا تھا۔ ابو نے دیکھا ان کا نام سرِ فہرست ہے۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرتا ہے جو اس کے بندوں سے محبت کرتے ہیں۔

نثار احمد زبیری

# امّی ابّو کا صفحہ

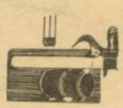

اپنے والدین کی ذہانت کا آئینہ ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر بچّے کے ذہن میں ایک صاف سلیٹ رکھ دیتے ہیں جس پر ابتدائی نقوش والدین بناتے ہیں۔ جیسے یہ نقوش ہوں گے، بچّے اُسی طرح کے افراد بنیں گے۔

اور بچّے کے ذہن کی سادہ سلیٹ پر سب سے اچھے، سب سے زیادہ بامقصد، سب سے زیادہ قابلِ اعتماد اور سب سے زیادہ خوبصورت نقوش صرف اور صرف محبّت سے بنتے ہیں۔ بہت سے والدین بچّے کو صرف ڈانٹ ڈپٹ کر یا جسمانی سزا دے کر اپنا مطیع و فرمانبردار بناتے ہیں۔ ایسے والدین کے بچّے بڑے ہوتے ہی عموماً سرکش بن جاتے ہیں۔ کبھی آپ نے سوچا کہ اس کا سبب کیا ہے؟ اس کا سبب بہت ہی قابلِ غور ہے۔

اصل میں ہوتا یہ ہے کہ جب بچّوں کو صرف جسمانی طاقت سے زیر کیا جاتا ہے تو درحقیقت ایک بہت بڑا خطرہ مول لیا جاتا ہے۔ والدین کی جسمانی طاقت اور اتھارٹی آگے چل کر، جب بچّے بڑے ہوتے ہیں، تو کمزور پڑ جاتی ہے اور آہستہ آہستہ صورتِ حال یہ ہوتی ہے کہ بچّے طاقتور اور والدین نحیف و نزار ہو جاتے ہیں۔ اس وقت جسمانی قوّت کے بل بوتے پر قائم شدہ رشتہ کمزور پڑ جاتا ہے اور والدین سے بچّوں کے تعلّقات کی نوعیت بدلنے لگتی ہے۔

اس کے برخلاف اگر ان تعلّقات کی بنیاد محبّت پر استوار کی جائے تو محبّت وہ رشتہ ہے جو کبھی کمزور نہیں پڑتا اور بچّوں سے تعلقات کی بنیاد ہمیشہ ایک جیسی رہتی ہے۔ جو والدین بچّوں کو محبّت، قوی محبّت اور حسنِ تدبیر سے آراستہ محبّت سے پالتے ہیں وہ ہمیشہ ہر دور میں خوش قسمت والدین میں شمار ہوتے ہیں۔ واضح رہے کہ محبّت سے بچّوں کی پرورش کا مطلب بے جا لاڈ اور پیار نہیں ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ بچّوں کی نگہداشت کی قوّتِ محرکہ ایسی محبّت ہو جو بچّوں کو اعتماد کے ساتھ مستقبل کا اچھا شہری بنانے میں استعمال ہو۔ مطلب یہ ہے کہ بچّوں کی نگہداشت اور تعلیم و تربیت اندھی محبّت سے نہیں بلکہ حسنِ تدبیر سے آراستہ محبّت سے کی جائے تو وہ خوبصورت برگ و بار لاتی ہے۔

PATENT No. 7469-7470-7471

Regd. No. M-266 DECEMBER 1987
Monthly AANKH MICHOLEE Karachi